فراکِ رسول ﷺ

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

کا جائزہ

نورِ مبین اور کلامِ اقبال کی روشنی میں

محمد اشرف خان (حسن زئی)

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا ۰ تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

فتراکِ رسول ﷺ

بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

کا جائزہ

نورِ مبین اور کلامِ اقبال کی روشنی میں

محمد اشرف خان (حسن زئی)

مکتبہ اشرفیہ مریدکے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ——— فتراکِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف ——— محمد اشرف خان (حسن زئی)

ناشر بار اوّل ——— فیروز سنز راولپنڈی

ناشر بار دوئم ——— بابو عبد المجید قادری (مریدکے)

طبع اوّل ——— جنوری ۱۹۸۲ء ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ

تعداد طبع اوّل ——— ایک ہزار

طبع ثانی ——— اکتوبر ۱۹۸۲ء ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

تعداد طبع ثانی ——— ایک ہزار

مطبع ——— منظور پرنٹنگ پریس لاہور

ملنے کا پتہ ——— مکتبہ اشرفیہ مریدکے ضلع شیخوپورہ

فیروز سنز (راولپنڈی) ہمدم لمیٹڈ

قیمت : : : ۲۷ روپے

عجب کیا گر مہ و پرویں میرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر!
وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ!

○

(اقبالؒ)

اِنتساب

راہِ حق کی اُس اولوالعزم متلاشی روح

کے نام!

جس سے حضرت اقبالؒ نے فرمایا تھا!

"گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور!

چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

فہرسِ ابواب

باب اوّل

بشر کی حقیقت ——————

بشر کا آغاز و انجام ——————

بشر کی صفات ——————

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

○

(اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مُصنّف

کسی کے بس میں نہیں کہ محبوبِ خدا کی کماحقہٗ توصیف کر سکے، عقل و دانش کی بلند پروازیاں ہر دور میں تھک ہار کر یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئیں کہ ؎

لایمکن الثناء کما کان حقہٗ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس جہانِ رنگ و بو میں بے شمار عاشقانِ رسول آپ کی شان و رفعنا لک ذکرک کی جلوہ تابانیوں سے مسحور ہو کر لولاک لما خلقت کے بھید سے آگاہی حاصل کرنے میں عمریں گذار کر چل دیئے۔ لیکن ہر ایک کی سعی و کوشش کا نتیجہ مرزا غالب مرحوم نے یوں بیان فرمایا ہے اور صحیح فرمایا ہے ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم — کآں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

شاعرِ اسلام، ترجمانِ حقیقت حضرت علامہ اقبال نے عشقِ رسول کی مے سے سرشار ہو کر جب اس مقام کی بلندیوں پر غور فرمایا تو بے ساختہ پکار اٹھے ؎

قوتِ قلب و نظر گرو دنبیؐ — از خدا محبوب تر گرددنبیؐ

عقل و خرد کی درماندگی مقامِ بشریت میں ایسی کھوئی ہوئی نظر آتی ہے کہ مقامِ محمود کی بلندیوں کو چھونا اس کے بس میں نہیں جس کا لازمی نتیجہ موجودہ دور کے تعلیم یافتہ حضرات کی قابلِ افسوس کم فہمی ہے مجھے اعتراف ہے کہ میری سعی و کوشش کسی صورت اٹل نہیں عشقِ رسول کی ایک چنگاری کا کرشمہ ہے کہ مجھ جیسے ناچیز نے اُس ذاتِ اقدس کی توصیف لکھنے کے واسطے قلم اٹھایا ہے جن کی تعریف کائنات کا ذرہ ذرہ کر رہا ہے خالقِ کائنات خود درود

د سلام بھیج رہا ہے اور تمام قدسی اپنے رب کے ساتھ ہمنوا ہیں ناممکن ہے کہ میں ناظرین کو مقامِ محمود کی اس بلندی کا جلوہ دکھا سکوں جو اس کا حق ہے بہر حال میں نے حتی الوسع قرآنِ حکیم کی روشنی میں مقامِ محمود اور مقامِ بشریت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ ناظرین کے سامنے ہے۔

ہو سکتا ہے کہ مقامِ محمود کی رفعت و بلندی جو اس کتاب میں بیان کی ہے عقلِ نارسا کی زد سے باہر ہو ایسے مقام پر ہمیشہ یہ حقیقت مدِ نظر رکھیئے کہ اتنے بلند و بالا مقام کی عطا و بخشش کا اعتراف اور یقین خدانخواستہ ثم خدانخواستہ کوئی شرک نہیں بلکہ اس ربِ رحیم و کریم کا وہ عظیم فضل و احسان ہے جو اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمایا اور اللہ تعالیٰ ہر بلندی عطا فرمانے پر قطعی قادر ہے حقیقت یہ ہے کہ مقامِ محمود کی صحیح اہمیت وہی جانتا ہے جس نے یہ مقام عطا فرمایا ہے اور جس کا اعلان ہے و لسوف یعطیک ربک فترضیٰ

اے پیغمبر اسلام آپ کا رب آپ کو وہ مقام عطا فرمائے گا جس سے آپ راضی ہو جائیں گے۔

کوٹ نجیب اللہ ہزارہ
ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

محمد اشرف خان

بشر کی حقیقت

قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے :-

"اے پیغمبرِ اسلام فرما دیجئے کہ میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ آپ کا معبود ایک ہے اس کے سوا کوئی نہیں پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے" (سورۃ الکہف)

مندرجہ بالا آیت کے علاوہ چند دیگر آیات میں بھی حضور کو بشر فرمایا گیا ہے جس سے کوئی ذِی فہم انکار نہیں کر سکتا لیکن یہ سمجھنا یقیناً صبر آزما مطالعہ اور غور و فکر چاہتا ہے کہ بشر کا صحیح مقام کیا ہے اور اس اعلان کا مقصد و مدعا کیا ہے اس اہم نکتہ کو سمجھنا ہر صاحبِ فکر کے واسطے ضروری ہے کیونکہ اس مقام کا غلط یقین ہے جس کے زیرِ اثر بسا اوقات بڑے بڑے علمائے کرام جن کی علمی استعداد لاریب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک پر تحریر و تقریر میں واحد غائب کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں انسانی عقل، اس اندازِ تخاطب کے جواز پر کچھ ہی کہہ لے لیکن مجھ جیسے سادہ محبت رکھنے والوں کے واسطے ایسی تحریر و تقریر ہمیشہ ناگوار رہی ہے کیونکہ ؎

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

یہاں میں ایک ناخوشگوار واقعہ نقل کرنے پر مجبور ہوں کہ ایک دفعہ میں نے عید میلاد النبی کے موقعہ پر ایک جلسہ کا اہتمام کیا اور ضروری اخراجات کے واسطے اپنے رُفقاءؒ سے چندہ کی اپیل کی ایک تعلیم یافتہ نوجوان نے اس اپیل پر لکھا کہ میں وہابی ہوں چندہ نہیں دیتا۔ ایک حساس دِل ایک نوجوان مسلمان کا یہ طرزِ فکر دیکھ کر جل گیا میں نے وہابی مسلک

کا مطالعہ نہیں کیا تھا لیکن میرے سامنے ایک نوجوان مجسم موجود تھا جو اپنے وہابی ہونے کی وجہ سے عید میلاد النبی کے جلسہ کے واسطے چندہ دینا گناہ سمجھ رہا تھا میں نے اس نوجوان کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کے ذہن میں موت وحیات کا فلسفہ کچھ اس طرح جاگزیں تھا کہ ہر بشر کو موت آنی ہے اور جو بھی بشر ہے جب فوت ہو جائے تو قصہ ختم اس کی نظروں اس حقیقت سے دور تھیں کہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

یہ سمجھنا بلا شبہ غلط ہے کہ کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت نہیں رکھتا لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضور کو جو مقام محمود حق تعالیٰ نے بخشا ہے اسے بہت سے مسلمانوں نے نہیں سمجھا اور سب سے بڑی الجھن فکر کی ان غلط کاوشوں کا نتیجہ ہے جو انما انا بشر کی تہہ تک نہ پہنچ سکیں اور بشر کو بمعنی عام انسان سمجھ کر ٹھوکریں کھاتی رہیں لہذا یہ ضروری ہے کہ بشر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بشر مرکب ہے چند اجزا کا جن کو مناسب صورت عطا کر دی گئی ہے اور جن کی ضروریات یکساں ہیں تو یہ سمجھنا غلط ہے قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:-

"ان لوگوں کو اس آدمی کا حال پڑھ کر سنا دیجئے جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس نے وُہ جامہ اتار دیا (دانش وفہم کا) پس شیطان اس کے پیچھے لگا نتیجہ یہ نکلا کہ گمراہوں میں ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں کے ذریعے اس کا مرتبہ بلند فرماتے مگر وُہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گی، مشقت میں ڈالو جب بھی ہانپے اور زبان لٹکائے چھوڑ دو جب بھی ایسا کرے ایسی ہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں آپ یہ حکایتیں لوگوں کو سنائیں تا کہ ان پر غور و فکر کریں" (سورہ اعراف)

قرآنِ کریم ہر ایسے انسان کو جو بشر کو صرف چند اعضا کا مجموعہ سمجھتا ہے جس کے

دو ہاتھ، دو کان، ایک ناک، دو پاؤں، ایک سر ہے دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے ایک ایسے ہی انسان کی مثال بیان فرما کر جو بلاشبہ یہ تمام اعضاء رکھتا تھا اور جس کی ساری ضروریاتِ زندگی بعینہٖ وہی تھیں جو ہر ایسے اعضاء کے مرکب انسان کی ہو سکتی ہیں لیکن وُہ خدا کی راہ سے ہٹ گیا تھا اس واسطے وُہ کُتّے کی مثال ہو گیا نہایت نجس شے، ملاحظہ فرمایا آپ نے مقام بشریت کیا ہے اسی صورت میں فرمان ہے ۔

"اے حبیب اگر آپ ان کو سیدھی راہ بلائیں تو کبھی آپ کی پکار نہ سُنیں آپ کو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دیکھتے نہیں"

یہاں قرآن حکیم ان ظاہر بین آنکھوں کی نفی کر رہا ہے جو کائنات کی ہر شے دیکھنے پر قادر ہیں۔ لیکن جن کو حق دیکھنے کی توفیق نہیں ایسی بصارت قرآن کے نزدیک بصارت نہیں رہی سورۃ الانفال میں ارشاد گرامی ہے ۔

"بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین چارپائے وُہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی"

غور فرمایئے وہی انسان جو شکل و صورت کی یکسانیت کے فریب میں آ کر اللہ کے اولوالعزم نبیوں کو عام بشریت کی حد میں لانا چاہتا ہے۔ جب راہِ حق سے ہٹ جاتا ہے تو خود بشریت کے مقام سے گر کر چارپاؤں جیسا ہو جاتا ہے بلاشبہ انسان چند اعضاء کا مرکب ہے مگر ان سب کو حق کی تلاش میں مصروف رکھنے سے بشریت کا مقام عطا ہوتا ہے، انسانی شکل و صورت بشر کہلانے کے واسطے ناکافی ہے جو آنکھ حق کو نہیں دیکھتی وُہ بصارت سے محروم ہے جو کان حق کو نہیں سُن سکتے وُہ بلاشبہ بہرے ہیں جو دل حق کی صداقتوں پر ایمان نہیں لا سکتا وُہ یقیناً اندھا ہے جو پاؤں ایک لاش کو اُٹھائے چلتے پھرتے ہیں وُہ پاؤں کہلانے کے حق دار نہیں رہتے ایسے اعضاء سے جو انسان مرکب ہو گا قرآن اس کو کتے کی مثال قرار دیتا ہے حضرت علامہ اقبالؒ انسان کی حق سے اسی لاعلمی کی وجہ سے اس کی خوئے غلامی پر چوٹ فرماتے ہیں ؎

یعنی درخوئے غلامی زسگاں خوار تراست
من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سَر خم کرد!

ترجمہ:۔ یعنی ایسا انسان خوئے غلامی میں کتے سے بھی بدتر ہے کیونکہ میں نے کسی کتے کو کتے کا غلام نہیں دیکھا۔

پس معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کی روشنی میں بشر کے وُہ معنی نہیں جس کا ہم تصور کرکے انما انا بشر کی تاویلات میں الجھتے رہتے ہیں اور کیا پتہ بجائے سود کے زیاں حاصل کر رہے ہوں دراصل قرآنی تعلیم یہ ہے کہ تمام انسان پیدائش میں برابر ہیں ہر ایک کو ایک ہی طرح کا جسم اور ایک ہی وضع کے اعضاء عطا فرمائے ہر ایک کی ضروریاتِ زندگی ایک سی ہیں ہر ایک کے لیئے ضروری ہے کہ عالم رنگ و بو میں آنے سے پہلے، شکمِ مادر کی ظلمات سے گذرے۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنے آخری انجام کو پہنچ جائے لیکن سوال اٹھتا ہے کہ کیا ہر ایک انسان کی زندگی ایک جیسی ہوتی ہے کیا چند ضروری چیزوں کی یکسانیت اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسے اعضاء کا ہر انسان ہر لحاظ سے ایک جیسے مقام و مرتبہ کا مالک ہے اور کیا یہ ممکن ہے کہ بعض برگزیدہ ہستیاں ایک ایسے مقام پہ پہنچ جاتی ہیں جہاں بشریت کے عام اصول لاگو نہیں رہتے بیشتر اس کے کہ ان سوالوں کا جواب ڈھونڈا جائے ایک مثال پر غور فرمایئے جو عام بھی ہے اور قابلِ غور بھی۔

پاکستان کی آبادی کم و بیش آٹھ کروڑ ہے یہ تمام کے تمام پاکستانی کہلاتے ہیں ہر ایک کے حقوق کے تحفظ کی خاطر ایک ہی طرح کا قانون ہے ہر پاکستانی جہاں چاہے تعلیم حاصل کرسکتا ہے جو پیشہ مرضی ہو اختیار کرے کسی کو کوئی بندش نہیں یہ بنیادی حق ہے جو ہر ایک کو حاصل ہے لیکن جونہی آپ اس بنیادی سطح سے اوپر اٹھیں گے آپ کو بے شمار درجات نظر آئیں گے گاؤں کے نمبردار سے لے کر پاکستان کے صدر مملکت، کیا کوئی انکار کرسکتا ہے کہ صاحب صدر پاکستانی نہیں لیکن کیا اس سے انکار ہوسکتا ہے کہ جو اختیاراتِ صدرِ پاکستان کو حاصل ہیں وُہ ایک عام مزدور کو بھی حاصل ہیں جو بلاشبہ

پاکستانی ہے ایسا کیوں ہے اس واسطے کہ صدرِ پاکستان نے زندگی کے ان لمحات کو ضائع نہیں کیا جن کو مزدور نے ضائع کر دیا اور ان صلاحیتوں کا مالک نہ بن سکا جو اسے صدارتِ پاکستان کا منصب عطا کرتیں لیکن ایک کی یہ غفلت دوسرے کی بیداری کی وجہ سے کتنا بُعد پیدا کر گئی ایک مُلک کے سیاہ و سفید کا مالک ہے دوسرا نانِ جویں کا محتاج ایک کی سارے مُلک میں دھوم ہے دوسرے کے بیوی بچے بھی پہچانتے سے بیزار، ایک کے اشارہ پر تقدیر بدل سکتی ہے دوسرا فکرِ معاش کے چکروں میں خود پھنسا پڑا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ایک مزدور کھڑا ہو کر اعلان کر دے کہ میں اور صدرِ پاکستان برابر کے پاکستانی ہیں تو بلا شبہ وُہ ٹھیک کہتا ہے، لیکن ان دونوں میں جو نمایاں فرق ہے کیا وُہ اِس اعلان سے مِٹ جائے گا ہرگز نہیں بلکہ ایسا سمجھنا فریب نظر کے سوا کچھ بھی نہیں۔

دوسری واضح بات جو ہر ایک جانتا ہے ہر جگہ کا تفاوت ہے ایک اُستاد ہے دوسرا شاگرد، دونوں انسان ہیں لیکن شاگرد اپنے انسان ہونے کی یکسانیت کی بنا پر اگر استاد کا ادب چھوڑ دے تو ہر ایک کی نظروں سے گِر جائے گا، ایک ملزم ہے دوسرا جج دونوں انسان ہیں لیکن ملزم کی زندگی جج کے اختیارِ تمیزی پر ہے چاہے اُسے قید کر دے، چاہے پھانسی پر لٹکا دے کیا کوئی ملزم ایک ہی طرح کا انسان ہونے کی آڑ لے کر کسی جج سے کہہ سکتا ہے کہ آپ میرا فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ہم دونوں ایک ہی طرح کے انسان ہیں، ایک ڈاکٹر ہے دوسرا مریض دونوں انسان ہیں لیکن مریض ڈاکٹر کی مِنّت سماجت کے عِلاوہ نذرانۂ مال بھی پیش کرے گا تاکہ اس کا عِلاج ہو زِندگی کے بے شمار گوشوں پر نظر دوڑایئے آپ کو یہ تفاوت نمایاں نظر آئے گا، آپ میں سے کئی ملازم ہوں گے وُہ جانتے ہیں ایک ماتحت اور آفیسر کا کیا فرق ہے، سپاہی اور آفیسر کمانڈنگ میں کیا تفاوت ہے، تاجر لوگ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ایک معمولی دُکاندار فیکٹری کے مالک کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور دونوں کا کردار معاشرہ پر کس طرح اثر انداز ہو رہا ہے اور کچھ نہیں تو ایک مختصر سے گھر پہ نظر دوڑایئں یہ حقیقت کُھل کر سامنے آئے گی کہ چھوٹے اور بڑے کا امتیاز نمایاں ہے ان سب رشتوں میں بنیادی رشتہ جو سب

میں یکساں ہے اپنی جگہ قائم ہے لیکن زندگی کی حقیقتوں میں اس کی اہمیت کہاں گئی اور اگر آپ اس تفاوت کو مٹانے پر تُل جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کا نظام چل سکے معلوم ہوا کہ صرف انسان ہونا سب کو لائن میں کھڑا نہیں کر سکتا ہاں سرِ دست یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ انسان میں قدرت نے ایسی صلاحیتیں پوشیدہ کر رکھی ہیں جن کو بروئے کار لا کر یہ بلند ترین مقام تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ اللہ کا فضل شامل حال ہو، لیکن، نبوت وُہ بلند مقام ہے جہاں کسی کوشش سے نہیں پہنچا جا سکتا بلکہ یہ اللہ کی دین ہے وہ جسے چاہے رسالت کے عہدہ جلیلہ پر فائز فرما دے اور جن جن بزرگ و پاک ہستیوں کے نصیب میں یہ سعادت ابدی تھی وُہ اپنا اپنا حصّہ حاصل کر چکے ہیں۔ اب ممکن نہیں کہ کوئی رسالت کے بلند عہدے تک پہنچے۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد!
بر رسولِ ما رسالت ختم کرد! (اقبال)

کہ ایک انسانی شکل وصورت رکھنے والی شخصیت بھی اللہ کی برگزیدہ ہو سکتی ہے چنانچہ سب سے بڑا اعتراض پیغمبرانِ خدا پر یہ تھا کہ آپ انسان ہیں یہ کیسے اللہ کے رسول ہو سکتے ہیں قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

"حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے پروردگار کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تمہیں پہنچی جو تم ہی میں سے ایک آدمی ہے" (سورۂ اعراف)

"حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ذریعے تمہارے پروردگار کی نصیحت تم تک پہنچی جو خود تم ہی میں سے ہے" (سورۂ اعراف)

"حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کہنے لگی اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہے کہ ہماری طرح کا انسان ہے جو کچھ تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے، جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کی اطاعت کر لی تو سمجھ لو کہ تم تباہ ہو گئے" (سورۂ المؤمنون)

قرآن کریم میں بے شمار مقامات ایسے آتے ہیں جہاں دعویٰ نبوت کو جھٹلانے والوں نے ایک واضح اور مسلّمہ اعتراض یہ کیا کہ جو عظیم ہستی دعویٰ نبوت کا اعلان فرما رہی وُہ اس واسطے جھوٹی ہے کہ یہ محض ہماری ہی طرح کا انسان ہے انسان کی تعریف جو اِن منکرینِ حق کی نظر میں تھی وُہ ہمیشہ یہی رہی کہ نبوت کا مدعی ماں باپ رکھتا ہے عام انسانوں کی طرح اس کی پیدائش ہوئی ماں کا دودھ پیا، بچہ تھا جوان ہوا روٹی کھاتا ہے، پانی پیتا ہے، چلتا پھرتا ہے، بازار سے خرید و فروخت کرتا ہے لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے، میل ملاپ ہے، سوتا ہے جاگتا ہے، شادی کرتا ہے اولاد کا باپ کہلاتا ہے اعضائے جسمانی میں کوئی فرق نہیں، ہماری ہی طرح ہاتھ پاؤں، ناک، کان اور سر رکھتا ہے لہٰذا ہم ہی جیسا ہونے کی وجہ سے یہ نبوت کے مقام پر سرفراز نہیں ہو سکتا یہ مقامِ بلند تو کسی مافوق الفطرت ہستی کا ہونا چاہیئے گویا منکرینِ حق نے اس شکل و

صورت کو بنائے انکار بنایا ہے جن کی یکسانیت قرآن کریم کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی بلکہ اس ساری یکسانیت کے باوجود بھی اگر کوئی آدمی راہِ حق سے ہٹ گیا تو کتے کی مثال ہو گیا اور بہ ایں ہمہ شکل وصورت وہ انسانیت سے گر کر چار پایوں کی صف میں جا پہنچا جس کی تصدیق قرآن کریم کی ان آیات سے ہوتی ہے جن کا مطالعہ ابھی ابھی آپ فرما چکے ہیں۔

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے چنانچہ جب سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، سید الانبیاء کا زمانہ آیا تو بعینہٖ وہی سب اعتراضات حضور کی ذاتِ اقدس پر کئے گئے قرآن کریم نے واضح الفاظ میں تردید کی کہ حضور نہ شاعر ہیں، نہ کاہن، نہ مجنون، نہ ان کو جاہ و مرتبہ کی لالچ ہے، نہ اپنی طرف سے کچھ فرما رہے ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور صرف وہی فرماتے ہیں جس کی ان کو وحی فرمائی جاتی ہے۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب بھی کسی صداقت کو جھٹلایا جاتا ہے اور جھوٹے بہتانوں سے بدنام کرنے کی کوشش کی جائے تو صداقت کو صحیح ثابت کرنے کے واسطے اس کی تردید لازمی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے کفار کے تمام جھوٹے بہتانوں کو ایک ایک کر کے رد فرما دیا اب کفار کے بشر کے اعتراض پر قرآن کریم جواب میں فرماتا ہے :-

"اے محبوب ہم نے آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اسی طرح کے آدمی تھے ان پر ہماری وحی اترتی (پھر اے معترضین) اگر تم کو اس بات کا علم نہیں تو ان لوگوں سے پوچھ کر معلوم کر لو جو اہلِ کتاب میں ہم نے ان نبیوں کو بھی کبھی ایسے جسم کا نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے" (سورۃ انبیاء)

اور ان انبیاء کی قوم نے کیا کیا قرآن کا اعلان ہے :-

"ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نصیحت کی باتیں پیہم آتی رہیں مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے جی لگا کر سنا ہو وہ سنتے ہیں مگر اس طرح کہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں اور دل ہیں کہ ایک قلم غافل اور ظلم کرنے والوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک بشر" (سورۃ انبیاء)

یہ حقیقت ہے کہ تمام انبیائے کرام انسان ہی کی شکل وصورت میں جلوہ افروز ہوئے لیکن کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہم شکل وصورت پر بحث وتمحیث کو ایک مستقل مسئلہ بنالیں جو حل ہی نہ ہو یا کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہم اس ظاہری یکسانیت کی وجہ سے ایسا طرزِ تحریر وتقریر اختیار کریں جس سے ادب واحترام کی بُو تک بھی نہ آتی ہو اور کفار کے اس اعتراض کو اتنی وقعت دیں کہ اس جال میں پھنس کر ایمان تک کو خطرہ میں ڈال دیں۔ کیا کسی عاشقِ رسول صحابی نے بھی کبھی حضور سے یہ عرض کی کہ جناب آپ تو بشر ہیں، آپ کو علمِ غیب کی کچھ خبر نہیں وغیرہ وغیرہ پہلے یہ دیکھئے کہ انبیاء کو کیوں انسان ہی کی شکل وصورت عطا فرمائی گئی قرآنِ کریم کا ارشاد ہے :۔

"حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدائیت ظاہر ہوئی تو صرف اس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا کہ متعجب ہو کر کہنے لگے کیا اللہ نے ہماری طرح کا ایک آدمی نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اے محبوب آپ فرمادیں کہ اگر ایسا ہوتا کہ زمین پر فرشتے بستے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور آسمان سے ایک فرشتہ نبی بنا کر اتار دیتے۔" (سورۂ بنی اسرائیل)

آئیت مندرجہ بالا کا ایک ایک لفظ قابلِ غور ہے اس سے عیاں ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کرام کو انسانی شکل وصورت عطا فرمانے کا مقصد کیا ہے اور ساتھ ہی کسی مافوق الفطرت ہستی کو پیغمبر بنا کر نہ بھیجنے کے جواز میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ مشیئت اور حکمت کے خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں جو امتحان مقصود ہے وہ نہ ہو سکتا تھا کفار کا اعتراض یہی تھا کہ انسان کے بجائے فرشتے کیوں رسول بن کر نہیں آتے قرآن حکیم نے اس اعتراض کو یوں بیان فرمایا ہے :۔

"کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے جو روٹی کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ کیوں نہ اترا ان پر فرشتہ جو ان کے ساتھ ڈراتا رہتا۔" (سورۂ الفرقان)

ایسے بدبخت انسانوں کے متعلق ارشادِ گرامی ہے :۔

"کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور وہ ظلم کرنے والی تھیں

اور وہ ایسی اجڑیں کہ اپنی چھتوں پر گر کر رہ گئیں، کنوئیں ناکارہ ہو گئے، سر بفلک محل کھنڈر بن گئے کیا یہ لوگ ملکوں میں چلتے پھرتے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے ان کے پاس دِل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے کان ہوتے اور سنتے پاتے حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں دِل اندھے ہو جایا کرتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں"۔ (سورۂ حج)

دوسری جگہ ارشاد گرامی ہے :۔

"اے محبوب! اگر آپ ان کو سیدھی راہ بلائیں تو کبھی آپ کی پکار نہ سنیں آپ کو ایسا دِکھائی دیتا ہے کہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دیکھتے نہیں"۔ (سورۂ اعراف)

قرآنِ حکیم نے ناظرین کے فکر و تدبر کے لیے اعضائے جسمانی کا کھول کر بیان فرما دیا ہے جس پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم جس کو بصارت کہتے ہیں قرآن اسے اندھا پن فرما رہا ہے وہ آنکھیں بلاشبہ بصارت سے محروم ہیں جو زمین کی زرخیزی پانی کی فراوانی، کھاد کی موزونیت، بیج کی اعلیٰ اقسام اور محنت کو اچھی فصل کا سبب جانتی ہیں اور اس سے آگے دیکھنے سے محروم ہیں چشم بینا وہ ہے جو ان سب پردوں کے پیچھے اس خالق اکبر کے پوشیدہ ہاتھ کو بھی دیکھتی ہے جس نے زمین کو زرخیزی عطا فرمائی جس نے سمندروں سے بادل اٹھائے اور پھر ہوا کو حکم دیا کہ ان کو اڑا کر فلاں فلاں جگہ برسا دو، وہ خالق کائنات جس نے زمین کی تاریکی میں ایک معمولی سے بیج کو پالا اور پھر سخت زمین کو حکم دیا کہ نرم و نازک پودے کی خوراک مہیا کر دیہاں تک کہ ایک دانہ سے سینکڑوں دانوں والا خوشہ تیار فرما کر اپنے بندوں کی خوراک مہیا فرمائی ــــ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟ (اقبالؒ)

لیکن حیف ہے اس انسان پر کہ اس کی چشم تصور نے اس خالق اکبر کو کبھی پانے کی کوشش نہ کی جو ان تمام پردوں کے پیچھے چھپ کر بھی بے نقاب ہے یہی صورت انسان کے تمام اعضاء کی ہے اور جو عضو بھی اپنے خالق کی تلاش میں سرگرداں نہ ہو وہ اپنی حقیقت کھو بیٹھتا ہے، پھر ان سب اعضاء کا مرکزی مقام دِل ہے جو جب اندھا ہو جائے تو باقی تمام اعضاء اپنا اپنا کام چھوڑ جاتے ہیں اور یہی وہ گوشت کا لوتھڑا ہے جو اندھا رہے تو خون زیادہ کچھ نہیں لیکن جب بیدار ہو جائے تو مقامِ کبریا بن جاتا ہے۔ حضرت اقبال فرماتے ہیں ؎

دِلِ مُردہ دِل نہیں اِسے زِندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

معلوم ہوا کہ قرآنِ حکیم نے بشر کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے وُہ منکرین حق کے اس اعتراض کے جواب میں تھا جو انہوں نے حضور سرورِ کائنات پر کیا چونکہ آپ انسانی شکل و صورت میں جلوہ گر تھے اس واسطے اس کی تردید نہیں فرمائی لیکن ساتھ ساتھ یہ اعلان فرما دیا کہ آپ سے پہلے جتنے انبیائے کرام تشریف لائے ہیں سب کو انسانی شکل و صورت ہی عطا فرمائی گئی تھی اس لیئے کہ جن کی طرف ان کو اور آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا وہ سب انسان ہی تھے جن کی اصلاح مقصودِ ربانی تھی لہٰذا ضروری تھا کہ رسول کو بھی وہی جسم و جان عطا فرما کر وہی ضروریات پیش کر دی جائیں جو عام انسانوں کو پیش آ سکتی ہیں تاکہ وُہ ان تمام باتوں کے باوجود اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ اِس جسم و جان میں کوئی ایسا نقص نہیں جو خالق حقیقی کے احکام کی پیروی نہ کر سکے نہ ہی ہماری ضروریاتِ زندگی ایسی ہیں کہ دن رات انہی کو حاصل کرنے کے واسطے کتوں کی طرح سرگرداں پھرتے رہیں اور اللہ کی بندگی اور اس کے احکام سے یکسر غافل ہو جائیں اگر ایسا نہ ہوتا تو یہی عقل کی میزان پر فیصلہ فرمانے والے چلّاتے کہ رسول نے

ایسا اس لیئے کیا کہ وہ مافوق الفطرت تھے وُہ کر سکتے تھے ہم انسان ہو کر نہیں کر سکتے رسولِ کریم کی حیاتِ اقدس زندگی کی ہر مشکل اور فتح و کامرانی کی ہر منزل سے دوچار ہوئی اس لیئے آپ کی تمام امت اور نوعِ انسانی کا ہر فرد اپنی زندگی کے ہر مسئلے کا حل حضور کی حیاتِ اقدس سے حاصل کر سکتا ہے حضرت سید سلیمان ندوی نے مدراس میں دیئے گئے لیکچر پنجم میں حضور سرورِ کائنات کی حیاتِ اقدس کے متعلق ایک ہندو مفکر کی رائے نقل فرمائی ہے یہ لیکچر حضرت سید سلیمان ندوی نے ۱۹۲۶ء میں دیا تھا فرماتے ہیں:-

"حضور کی حیاتِ اقدس میں بیک وقت اس قدر تضاد اور متنوع اوصاف ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یک جا کر کے نہیں دکھائے بادشاہ ایسے کہ پورا ملک اُن کی مٹھی میں ہے اور بے بس ایسے کہ خود اپنے آپ کو بھی اپنے قبضہ میں نہیں جانتے بلکہ خدا کے قبضہ میں، دولت مند ایسے کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے ان کے دارالحکومت میں آرہے ہوں اور محتاج ایسے کہ مہینوں ان کے گھر چولہا نہ جلتا ہو اور ادر کئی کئی وقت اُن پر فاقے گذرتے ہوں، سپہ سالار ایسے کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرقِ آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی کی ہو، اور صُلح پسند ایسے کہ ہزاروں پر جوش جان نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صُلح کے کاغذ پر بے چون وچرا دستخط کر دیتے ہوں، شجاع و بہادر ایسے کہ ہزاروں کے مقابلے میں تنہا کھڑے ہوں اور نرم دل ایسے کہ کبھی انہوں نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، باتعلق ایسے کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی ان کو فکر، بیوی بچوں کی فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی فکر، خدا کی بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی فکر، غرض سارے سنسار کی فکر اور بے تعلق ایسے کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد تک ان کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز فراموش ہو، انہوں نے کبھی اپنی ذات کے واسطے اپنے کو بُرا

کہنے والوں سے بدلہ نہ لیا ہو اور دشمنوں کو دعائے خیر دی ہو اور بھلا چاہا ہو لیکن خدا کے دشمنوں کو کبھی معاف نہ کیا ہو عین اس وقت جب ان پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکا ہوتا ہے وہ ایک شب زندہ دار کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتے ہیں عین اس وقت جب ان پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہوتا ہے وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتے ہیں عین اس وقت جب ہم ان کو شاہِ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھے درویش نظر آتے ہیں عین اس وقت جب عرب کے اطراف سے آآکر ان کی صحنِ مسجد میں مال و دولت کا انبار لگا ہوتا ہے ان کے گھر میں ناقہ کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے عین اس وقت جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بنا کر بھیجے جا رہے ہیں سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینے کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں، لیکن ان کو کوئی لونڈی کوئی غلام نہیں دیا جاتا، عین اس وقت جب آدھا عرب ان کے زیرِ نگیں ہوتا ہے حضرت عمر حاضرِ دربار ہوتے ہیں، اِدھر اُدھر نظر اُٹھا کر کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں آپ ایک کھردری چارپائی پر آرام فرما ہیں جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہیں ایک کھونٹی پر خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے سرورِ کائنات کے گھر کی کل کائنات دیکھ کر حضرت عمر رو پڑتے ہیں سبب دریافت ہوتا ہے تو عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا کہ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں، ارشادِ رسالت ہوتا ہے عمر کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت" سچ فرمایا پروانۂ رسالت نے کہ

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیائے کرام کو جو انسانی شکل و صورت

عطا فرمائی گئی جن بشری تقاضوں سے ان کو دوچار ہونا پڑا ان میں یہی مصلحت پوشیدہ تھی کہ دنیا کے باقی انسان جان لیں کہ اس جسم وجان اور اس کی ضرورتوں کو اگر دل کے تابع رکھ کر خدائے بزرگ و برتر کے احکام کی پیروی کی جائے جو بہر صورت ممکن ہے تو اس کی پرواز کا منتہا قدسیوں کو حیران کردیتا ہے حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامین پیدا

اور اگر نعمتِ ایمان سے محروم رہے تو اس کی ظاہری شکل وصورت اس کے اعضائے جسمانی اور اس کے تقاضائے بشری کے باوجود وہ انسان نہیں رہتا، چار پایوں کی صف میں کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مثال کُتّے کی طرح ہو جاتی ہے جو مُردار ہے

ہر کہ بے حق زیست جز مُردار نیست
گرچہ کس در ماتمِ او زار نیست!! (اقبال)

بشر کا آغاز و انجام

ہر بشر کی زندگی عبارت ہے چند مراحل سے جن کی ابتدا پیدائش ہے اور انتہا موت بعد از موت جو زندگی عطا ہوگی اس سے کوئی مسلمان منکر نہیں ہوسکتا لیکن سرِ دست ہمارا مقصد صرف دنیاوی زندگی سے ہے کیونکہ عام بشر کے جسم وجان میں جو یکسانیت ہے وہی ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے کہ ذرا سوچیں اور معلوم کریں کہ کیا ہر بشر ایک ہی طرح کا ہوتا ہے ایک سی پیدائش، ایک سی زندگی اور ایک سی موت اگر یہ سب باتیں یکساں ہوں تو بلا شبہ ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ہر بشر ایک ہی طرح کا ہوتا ہے اور جسم وجان کا یہ جامہ روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر نہیں رہتا اور جس طرح موت کے بعد انسان کا جسم گل سڑ جاتا ہے وہ کسی کام کا نہیں رہتا اس طرح اللہ کے برگزیدہ بندے بھی اس عالمِ رنگ وبو سے روپوش ہونے کے بعد محض ایک بے جان جسم رہ جاتے ہیں جس طرح ہر بشر،

آپ کا مشاہدہ ہے اور یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش ایک

ں طریقہ سے ہوئی یہ تو ظاہر بین نگاہ کا فیصلہ ہے لیکن اگر آپ غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ہر نبی مشیئتِ ایزدی کا مستقل پیغام بن کر خاص مشن کے ساتھ پیدا ہوتا ہے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے ۔

اور جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اٹھانے لگے بنیادیں اس گھر کی تو فرمایا اے اللہ قبول فرما ہم سے تو ہی اصل سنتا اور جانتا ہے اے رب ہمارے ہم کو اپنا حکم بردار بنانا اور ہماری اولاد میں بھی ایک اُمت حکم بردار اور بتا ہم کو دستور حج کرنے کے اور معاف فرما ہم کو بلا شبہ تو معاف فرمانے والا ہے اور رحیم ہے اے رب ہمارے اُٹھا ان میں ایک رسول انہی میں، پڑھے ان پر تیری آیات اور سکھاوے ان کو کتاب و حکمت اور ان کو سنوارے تو ہی ہے اصل زبردست حکمت والا،، (سورہ البقر)

آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ دو بزرگ ترین ہستیاں کون ہیں ایک باپ دوسرا بیٹا دونوں مئے توحید سے سرمست و سرشار دونوں عشق حق میں اپنی اپنی جان تک پیش کر دینے والے حضرت خلیل نے جب نمرود سے ٹکر لی تو طاغوتی قوتوں نے نار نمرود تیار کر کے حضرت خلیل کو اس میں ڈال دیا۔ عشقِ خلیل کی بلندیوں کا اندازہ فرمایئے کہ ایسے نازک وقت دل نہیں ڈگمگاتا خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر عشق حسن کے حضور قربانی پیش کرتا ہے، اور عقل و خرد کے متوالوں کو محوِ حیرت کر دیتا ہے ۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

نارِ نمرود سے کامرانی کے بعد بڑھاپے کی عمر میں فرزند عطا ہوتا ہے جب وہ سن بلوغ کو پہنچتے ہیں تو اللہ کا حکم ہوتا ہے اس فرزند کو ہماری راہ میں قربان فرمایئے بڑھاپے کا واحد سہارا آنکھوں کا تارا، دل کا سکون، اولاد والے سمجھ

پس کہ یہ کتنا مشکل کام ہے لیکن اللہ کا خلیل حکم پاتے ہی بیٹے کو قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں بیٹا بھی کون ہے حضرت اسماعیل، اللہ کا حکم سنتے ہی گردن جھک جاتی ہے کیوں اس واسطے کہ عشق کی آگ بشریت کی خاک کو فنا کر چکی ہے یہاں تخمین و ظن کا گذر نہیں مصلحت اندیشی عاشقوں کا شیوہ نہیں محبوب کے حضور دنیا کی ہر چیز قربان کرنا ہی ان کی خوشنودی ہے۔ سر تسلیم خم ہے حضرت اسماعیل کے گلے پر چھری ہے اور حضرت ابراہیم چھری پھیرنے کو بے قرار ہیں اللہ کیا سپردگی تھی

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی ؟
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی!

لیکن مقصود امتحان تھا دنیا کو بتانا تھا کہ تمہاری ہی طرح کا جسم و جان رکھنے والے اولاد کی محبت میں سرشار کس طرح ان تمام بشری تقاضوں کو توڑ کر اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے چنانچہ حضرت اسماعیل کی جگہ ایک دنبہ ذبح ہو گیا اور باپ بیٹے نے اللہ کا شکر ادا کیا حکم باری ہوا اے ابراہیم آپ نے ہمارے امتحانوں میں ثابت قدمی دکھا کر ثابت فرما دیا کہ آپ ہمارے خلیل ہیں یہی خلیل ہیں اور ان کے فرزند ارجمند دنیا کے دو اولوالعزم پیغمبر اللہ کے برگزیدہ رسول جو کعبۃ اللہ تعمیر فرما رہے ہیں دیواریں چن چکے تو ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سے عرض کر رہے ہیں اے رب ہمارے اٹھا ان میں ایک رسول، انہی میں کا پڑھے ان پر تیری آیات اور سکھا دے ان کو کتاب و حکمت اور ان کا تزکیہ فرما دے اللہ کے رسولوں کی یہ دعائے پاک بارگاہِ حق میں قبول ہوئی لیکن دو ہزار سال بعد گویا کارکنانِ قدرت ایک طویل مدت تک حضور کی بعثت کے منتظر رہے اور ظہور قدسی ہوا تو حضور کی شانِ اقدس میں وہی الفاظ بیان فرمائے جو خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل کی پاک "زبانوں" سے نکل چکے تھے ارشاد باری ہے :-

" اللہ نے احسان فرمایا ایمان والوں پر جب بھیجا ان میں رسول انہی

میں کا پڑھتے ہیں ان پر آیات اور سنوارتے ہیں ان کو اور سکھاتے ہیں ان کو کتاب و حکمت اور اس سے پہلے وُہ صریح گمراہی میں تھے،، (سورۂ آل عمران)

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کو مومنوں پر احسان فرما رہا ہے بشر بشر کی رٹ لگانے والے سوچیں کہ اللہ نے اپنی کسی رحمت کو احسان نہیں فرمایا لیکن حضور کی ذاتِ اقدس کو احسان فرما رہا ہے۔

"اے لوگو بھیجا ہم نے رسول تم میں سے پڑھتے ہیں تمہارے پاس ہماری آیات اور جو سنوارتے ہیں تم کو اور سکھاتے ہیں تم کو جو تم نہ جانتے تھے" (سورۂ بقر)

"وہی اللہ ہے جس نے ان پڑھوں میں سے ایک رسول اُٹھایا پڑھتے ہیں ان لوگوں کے پاس اللہ کی آیات اور ان کو سنوارتے ہیں اور سکھاتے ہیں ان کو کتاب و حکمت اور اس سے پہلے وُہ صریح گمراہی میں تھے،، (سورۃ الجمعہ)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ایک عام بچہ کی پیدائش نہ تھی بلکہ آپ کے ظہور قدسی میں اولوالعزم پیغمبروں، رسولوں اور اللہ کے عاشقوں کی دعائیں پوشیدہ تھیں جو سالہا سال پہلے عرشِ اعظم سے ٹکرا چکی تھیں اسی واسطے آپ کے عشق کا یہ فیض ہے کہ خاک کو ہمدوشِ ثریا بنا دیتا ہے۔

دل زعشقِ او توانا مے شود
خاک ہمدوشِ ثریا مے شود (اقبال)

"حضور کے عشق سے دِل توانائی حاصل کرتا ہے اور ایک خاکی انسان ثریا پر ٹھکانا پاتا ہے،،

اس شانِ امتیازی سے دنیا میں جلوہ افروز ہونے کے بعد حضور کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے یہ حقیقت کھل چکی ہے کہ مشیئت ایزدی یہی تھی کہ آپ کو مقامِ محمود کا بلند ترین مقام عطا فرمایا جانے والا ہے اور آپ کی حیاتِ اقدس ایسے حالات اور واقعات سے دوچار ہوگی جو منفرد ہوں گے کیا ایسے عظیم المرتبت نبی کی زندگی کی قدم قدم پر رہنمائی فرمائی گئی ہوگی اور قدرت کا پوشیدہ ہاتھ اپنا کام کرنے میں مصروف نہیں رہا ہوگا اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے واسطے قرآن میں بیان شدہ دو واقعات کا ذکر انتہائی ضروری ہے۔

پہلا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت خضر علیہ السّلام کا ہے حضرت موسیٰ اللہ کے جلیل القدر رسول اور کلیم اللہ ہیں حصولِ علم کی پیاس بجھانے کے لئے اللہ کے حکم سے حضرت خضر کے ساتھ رہنے کی گذارش کرتے ہیں حضرت خضر اجازت مرحمت فرماتے ہوئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ جو بات آپ کی سمجھ میں نہ آئے جب تک میں خود نہ بتاؤں آپ اس کی نسبت سوال نہ کریں حضرت موسیٰ نے شرط مان لی ہے اور سفر شروع ہو چکا ہے ذہن میں اس بات کو محفوظ رکھیئے کہ شرط اللہ کے دو برگزیدہ اور اولوالعزم پیغمبروں کے درمیان ہے شرط بھی کچھ مشکل نہیں بس ذرا خاموش رہنا ہے اب ملاحظہ فرمائیے کیا ہوا سورۂ کہف میں ارشاد ہے:۔

"پھر ایسا ہوا کہ دونوں سفر میں نکلے یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچے اور ایک کشتی میں سوار ہوئے اب حضرت موسیٰ کے ساتھی نے یہ کیا کہ کشتی میں ایک دراڑ نکال دی یہ دیکھتے ہی حضرت موسیٰ بول اُٹھے آپ نے کشتی میں سے دراڑ نکال دی کہ مسافر غرق ہو جائیں آپ نے کیسی خطرناک بات کی اس کے ساتھی نے کہا! کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے موسیٰ نے کہا بھول ہو گئی اس پر نہ پکڑیئے اگر ایک بات بھول چوک میں

ہو جائے تو آپ سخت گیری کیوں کریں۔

پھر دونوں آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی کے قریب پہنچے اور انہیں ایک لڑکا ملا حضرت موسیٰ کے ساتھی نے اس لڑکے کو قتل کر دیا۔

اس پر حضرت موسیٰ بول اٹھے آپ نے ایک بے گناہ کی جان لی حالانکہ اس نے کسی کی جان لی نہیں تھی آپ نے کیسی برائی کی بات کی حضرت موسیٰ کے ساتھی نے کہا کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے حضرت موسیٰ نے کہا اگر پھر میں نے کچھ پوچھا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے اس صورت میں آپ پوری طرح معذور سمجھے جائیں گے۔

دونوں اور آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک گاؤں کے پاس پہنچے گاؤں والوں سے کہا ہمارے کھانے کا انتظام کر دو گاؤں والوں نے مہمان نوازی سے صاف انکار کر دیا پھر ان دونوں نے دیکھا کہ گاؤں میں ایک پرانی دیوار ہے جو گرا چاہتی ہے یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ کے ساتھی نے اس کی مرمت شروع کر دی اور اسے از سر نو مضبوط کر دیا اس پر موسیٰ سے نہ رہا گیا اور بول اٹھے اگر آپ چاہتے تو اس محنت کا کچھ معاوضہ ان لوگوں سے وصول کرتے تب موسیٰ کے ساتھی نے کہا بس اب مجھ میں اور آپ میں جدائی کا وقت آگیا ہے ہاں جن باتوں پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ان کی حقیقت آپ کو بتلا دیتا ہوں۔

سب سے پہلے کشتی کا معاملہ تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے ہیں وہ جس طرف بڑھ رہے تھے وہاں ایک ظالم بادشاہ تھا جس کسی کی اچھی کشتی پاتا ہے اسے زبردستی لے لیتا ہے میں نے چاہا اس کشتی میں ایک عیب ڈال دوں تاکہ

بادشاہ کے آدمی اُسے عیبی دیکھ کر قبضہ کر نہ سکیں۔

باقی رہا لڑکے کا معاملہ تو اس کے ماں باپ مومن ہیں ہمیں یہ دیکھ کر ڈر ہوا کہ ان کو سرکشی اور کفر کی اذیت پہنچائے گا پس ہم نے چاہا ان کا پروردگار اس لڑکے سے بہتر انہیں لڑکے دے گا دینداری میں بھی اور محبت میں بھی۔

اور وُہ جو دیوار درست کر دی گئی تو اس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے وُہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی ہے جس کے نیچے ان کا خزانہ گڑھا ہے ان کے ماں باپ نیک تھے پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ محفوظ پا کر نکال لیں (اگر وُہ دیوار گر جاتی تو ان کا خزانہ محفوظ نہ رہتا) یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی مہربانی تھی جو اس طرح ظہور میں آئی میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار سے نہیں کیا یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے"

ان بصیرت افروز واقعات کو حضرت اقبال نے نہایت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا۔

کشتیِ مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم!!

علمِ موسیٰ بھی تیرے سامنے حیرت فروش!

قرآنِ حکیم کے اس واقعہ میں وُہ کونسی بات نہیں جو یہ نہ بتا رہی ہو کہ قدرت کا دستِ غیب اپنے کاموں میں کس طرح مصروف رہتا ہے پہلا واقعہ اس امر کا شاہد ہے کہ چند مسکینوں کے مال کی حفاظت مقصود تھی ان کو معلوم نہیں تھا کہ وُہ کس خطرے سے دو چار ہونے والے ہیں جس سے بچاؤ کی خاطر ان کا تھوڑا سا نقصان کر دیا گیا جس سے یقینی طور پر وُہ پریشان ہوئے ہوں گے لیکن جب اصلی مصلحت ظاہر ہوئی ہو گی تو ان کا دل اللہ کے حضور جھک گیا ہو گا دوسرا واقعہ ایک لڑکے کا قتل ہے جس کا امکان تھا کہ کفر و ضلالت میں گرفتار ہو گا اور اس طرح اپنے مومن

والدین کی دل آزاری کا باعث بنے گا گو اس سانحہ سے اس کے والدین کو صدمہ ہوا ہو گا لیکن جب اللہ نے ان کو نیک اولاد سے نواز دیا ہو گا تو وہ یہ صدمہ بھول گئے ہوں گے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم یہ بھی پسند نہیں فرماتا کہ نیک والدین کی بُری اولاد ان کے واسطے رنج و افسوس کا باعث بنے تیسرا واقعہ ہمیں یہ بصیرت افروز سبق دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک والدین کی نیک اولاد کو کسی قسم کے نقصان سے دوچار فرمانا نہیں چاہتے اور ان کی ہر طرح حفاظت فرمائی جاتی ہے۔

اب حضرت موسیٰ کی شرط پر غور فرمادیں کیوں آپ چپ نہ رہ سکے اور ہونے والے واقعات کا ٹھیک ٹھیک وہی نتیجہ اخذ فرمایا جو عقل و خرد کے مطابق تھا یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کی مصلحتوں سے آپ کو آگاہ فرمانا چاہتے تھے اور یہ بھی مشیئت تھی کہ خاص وقت تک آپ کا سفر رہے یہی وجہ ہے کہ دوسری دفعہ شرط ہارنے پر حضرت موسیٰ خود بخود فرماتے ہیں کہ اگر اب میں سوال کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا گمان غالب یہی ہے کہ حضرت خضر کو اس سفر کی مدت کا بھی علم تھا اس واسطے وہ کسی دفعہ یہ شرط نہیں لگاتے کہ اب آپ نے پوچھا تو آپ میرے ساتھ نہ رہ سکیں گے بلکہ نہایت لطیف پیرائے میں صرف یہ ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے دستِ غیب کی اس حیران کن کارگذاری کو ذہن میں محفوظ رکھیئے اور دوسرا واقعہ ملاحظہ فرمایئے

یہ واقعہ ہے اللہ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یوسف ایک خواب دیکھتے ہیں کہ گیارہ ستارے بمعہ سورج اور چاند آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ یہ خواب اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیان فرماتے ہیں حضرت یوسف کا خواب سُن کر حضرت یعقوب نے فرمایا

"اے میرے بیٹے اپنے اس خواب کا حال اپنے بھائیوں سے نہ کہنا کہ

وہ تیرے خلاف کسی منصوبہ کی تدبیریں کرنے لگیں یاد رکھو شیطان انسان کا صریح دشمن ہے اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرنے والا ہے اور یہ بات سکھلانے والا ہے کہ باتوں کا نتیجہ و مطلب (خواب کی تعبیر) کیوں کر ٹھہرایا جائے جس طرح وہ پہلے تیرے بزرگوں حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق پر اپنی نعمت پوری کر چکا ہے اسی طرح تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر بھی پوری کرے گا بلاشبہ تیرا پروردگار حکمت والا ہے'' (سورۂ یوسف)

اس سے آگے حضرت یوسف کی طویل داستانِ حیات ہے بھائیوں کا بے گناہ کنوئیں میں پھینک دینا اور پھر خون آلود کرتہ حضرت یعقوب کو دکھا کر رو رو کر کہنا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، حضرت یوسف کا قافلہ والوں کے ہاتھ آ کر بازارِ مصر میں فروخت ہونا، دیارِ مصر میں باوجود اجنبی ہونے کے ایک باعزت مقام حاصل کرنا آپ کے حسن و جمال پر عزیزِ مصر کی بیوی کا والہانہ عاشق ہونا اور اپنی مُراد نہ پا کر حضرت یوسف کو بہتان کا نشانہ بنانا باری تعالیٰ کا حضرت کو اس بہتان سے سرخرو فرمانا، پھر بے گناہ جیل جانا اور پھر باعزت رہا ہو کر عزیزِ مصر کا مختار کُل بننا بھائیوں سے دوبارہ مُلاقات، حقیقی بھائی سے ملاقات اور پھر حضرت یعقوب سے مُلاقات حضرت یوسف کی زندگی کے سارے واقعات بیان کرنے کی گنجائش نہیں لیکن جب طویل مدت کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اور اپنے بھائیوں سے ملاقات ہوئی تو اس وقت کے حالات بیان کرنے ہمارے مقصد کے واسطے نہایت ضروری ہیں چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

"پھر جب ایسا ہوا کہ یہ لوگ (حضرت یعقوب اور سارے بھائی جنہوں نے آپ کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا) یوسف سے ملے تو اس نے اپنے باپ اور ماں کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا اب شہر میں چلیں خدا نے چاہا تو آپ کے واسطے ہر طرح کی سلامتی ہے اور جب شہر

میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف نے تخت پر اپنے والدین کو بٹھایا اور اس وقت ایسا ہوا کہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے۔ اس وقت حضرت یوسف پکار اُٹھے اے میرے باپ یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا میرے پروردگار نے اس کو سچ ثابت کر دیا یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی آپ سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچا دیا اور یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا بلاشبہ میرا پروردگار ان باتوں کے لیئے جو کرنی چاہیئے بہتر تدبیر کرنے والا ہے بلاشبہ وہی ہے جو جاننے والا ہے اور حکمت والا۔" (سورۂ یوسف)

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس پر رہنمائی نہ کرتا ہو لیکن ہمارا مقصد و مدعا محدود ہے اول یہ کہ آپ نے ایک خواب دیکھا جس کو اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض فرما دیا والد محترم نے تعبیر فرمائی اور جب ایک طویل مدت گذرنے کے بعد وہ مقام بزرگ حضرت یوسف کو نصیب ہوتا ہے تو والد اور بھائیوں کے سامنے اس کا برملا اعلان فرماتے ہیں کہ یہ ہے اس خواب کی تعبیر یعنی اس تمام داستان کا علم اللہ تعالیٰ کو تھا۔ ان واقعات نے ہونا ہونا تھا ان کے لیئے بہتر تدبیر کرنے والا اللہ تعالیٰ تھا۔ دوم یہ کہ اس مقصد عظیم کی تکمیل کے واسطے بے شمار مصیبتیں آئیں لیکن سب میں سرخروئی اور کامیابی ہوئی جو محض فضل ربی تھا۔ سوم یہ کہ انسانی طاقتیں اس مقصدِ عظیم کی راہ میں یقیناً حائل ہوئیں لیکن اللہ کی تدبیر نے سب کو ناکام بنا دیا غور طلب بات یہ ہے کہ ایک ہونے والا واقعہ مدتوں پہلے حضرت یعقوب جان جاتے ہیں اور پھر جب حضرت یوسف اس مقام پر فائز ہوتے ہیں تو اس کی حرف بحرف تصدیق فرماتے ہیں کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دستِ قدرت پوشیدہ طور پر اپنے کام میں

شدت سے مصروف ہے ضرور ایسا ہے کیونکہ یہ قول کسی عقل کا نتیجہ نہیں بلکہ پیغمبر حضرت یوسف بن حضرت یعقوب بن حضرت اسحاق بن حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر کا فرمان ہے ہم ہیں کس کی مجال ہے کہ دم مار سکیں ؎

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے!
پردۂ مجبوری و لاچارگی تدبیر ہے!

اللہ تعالیٰ کے اس پوشیدہ ہاتھ کا علم ہونے کے بعد کیا ہم یہ باور کرنے پر مجبور نہیں ہو جاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش بھی اسی دستِ غیب کی کڑی نگرانی میں ہوئی اور انہیں عام انسانوں جیسی زندگی عطا نہیں فرمائی گئی یہی وجہ ہے کہ حضور کی زندگی مبارک جو پیش از نبوت گذری بذات خود لاثانی ہے اور قرآن حکیم آپ کی اس پاکیزہ زندگی کو آپ کی صداقت پر دلیل لاتا ہے یہ اسی دستِ غیب کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ حضرت سیدہ حلیمہ جب آپ کو لے کر واپس گاؤں جا رہی تھیں تو آپ کی اونٹنی مستانہ وار دوڑ رہی تھی اور اپنے تمام ہمسفروں سے آگے تھے حالانکہ یہی اونٹنی جب مکہ معظمہ آئی تھی تو چل بھی مشکل سے رہی تھی اور سب سے پیچھے تھی جب ساتھیوں نے یہ دیکھا تو حیرت و استعجاب میں ڈوب کر وجہ پوچھی لیکن اس وقت حضرت سیدہ کو بھی کیا علم تھا کہ ان کی گود میں عام انسانی بچہ نہیں بلکہ وہ عظیم ہستی ہے جن کے انتظار میں گردشِ لیل و نہار ہزاروں برسوں سے بے تاب ہیں حضرت سیدہ کی عقل و دانش اس بات کا فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ کس طرح ایک معصوم بچہ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ زیادتی نہیں فرماتا اور اپنے حصے کے دودھ پر صابر و شاکر رہتے ہیں ایک عام انسانی بچہ ان اوصاف کا مالک ہرگز نہیں ہو سکتا ان سب باتوں کا اٹل جواب صرف یہ ہے کہ سید الکونین کی پرورش خالق اکبر نے ایک امتیازی شان سے فرمائی تھی اور اس کا دستِ غیب دنیا والوں کی آنکھوں سے اوجھل ہمہ وقت شاہ دوجہاں کی نگہداشت میں مصروف تھا آپ کی حیاتِ اقدس ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ عام بشریت کے تقاضے وہاں دم نہیں مار سکتے۔

پیدائش اور زندگی کے مراحل سے گذر کر اب ہم موت کے مرحلہ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے بندوں کی موت درحقیقت موت نہیں بلکہ دنیا سے صرف روپوش ہونا ہے اللہ تعالیٰ شہداء کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :-

"آپ نہ سمجھیں کہ جو لوگ قتل ہوئے اللہ کی راہ میں وُہ مردے ہیں نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں خوش ہیں اس پر جو اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا ہے" (سورۂ آل عمران)

پیشتر اس کے کہ مندرجہ بالا آیت پر غور کریں آپ یاد فرمالیں کہ بشر قرآنِ حکیم کے الفاظ میں کس مفہوم میں ادا ہوا ہے یعنی جو شکل وصورت انسان کی رکھتا ہو اور اس کی ضروریاتِ زندگی جسم و جان کے تقاضے پورے کریں اس لحاظ سے تمام نوعِ انسانی ایک وحدت ہے اور ہر ایک بشر کہلانے کا مستحق ہے لیکن اس وحدت کے فوراً دو گروہ بن جاتے ہیں ایک ایمان والے دوسرے کافر، دونوں کی حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کافر باوجودیکہ انسانی اعضاء اور جسم و جان ایک جیسا رکھتے ہیں لیکن راہ حق کے منکر ہیں لہذا کتے کی مثال اور چارپایوں جیسے ہو گئے ان کے ہاتھ، کان پاؤں اور دِل اس کے مستحق نہیں کہ ان کو یہ نام دیا جائے کیونکہ وُہ ان اوصاف سے محروم ہو گئے جو ان کا خاصا تھا۔ انسانیت اور بشریت کے مقام سے یہ اسی وقت گِر گئے جب اللہ سے انکار کیا اب جوں جوں اس انکار اور کفر و ضلالت میں بڑھتے جائیں گے ان کا مرتبہ و مقام گرتا جائے گا یہاں تک کہ وُہ اسفل السافلین کی تاریک ترین گھاٹی میں داخل ہو جائیں گے۔ اور اللہ کے قہر و غضب کا شکار ہوں گے۔

دوسری جانب ایمان والے ہیں بشریت میں وُہ برابر ہیں لیکن جونہی وہ مومن ہو گئے اللہ پر ایمان لائے ان کو ایک نیا نام عطا فرمایا گیا اور یہ نام ہے اللہ کا بندہ ہے اور جوں جوں یہ اپنے ایمان میں پختہ ہوتے جائیں گے ان کے مراتب بلند ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ ان کی منزل منتہا جمالِ کبریا بن جائے گی ؎

شعلۂ درگیر زد در خس و خاشاک من !!
مرشد رومی کہ گفت منزل ما کبریا است (اقبال)

ان نیک بندوں میں بھی مراتب ہیں جن کا ذکر سورۂ نساء میں ہے اور وُہ مراتب ہیں نبی، صدیق، شہید اور صالح۔ نبی کا وہ بلند مقام ہے جہاں کسی محنت سے نہیں پہنچا جا سکتا گویا ایک عام بندہ زیادہ سے زیادہ صدیق کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے نبیوں میں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو علیحدہ علیحدہ مرتبہ عطا فرمایا ہے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے علمائے امت اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔

اب آپ غور فرمائیں قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت پر جو شہداء کی فضیلت بیان فرما رہی ہے ارشاد ہے جو اللہ کی راہ میں قتل ہوں ان کو مردہ مت کہو وُہ زندہ ہیں اس دنیا سے روپوش ہونا ان کو مردہ نہیں بنا دیتا اور زندگی کے ثبوت میں زندگی کی ایک اہم ضرورت روزی کا ذکر بھی فرما دیا تاکہ کوئی شک و شبہ نہ رہے معلوم ہوا کہ موت جو عام انسانوں کو آتی ہے اس میں اور اس موت میں جو شہداء کو آتی ہے بہت نمایاں فرق ہے ایک کو ہم مُردہ کہہ سکتے ہیں دوسرے کو نہیں یہ بشر کی آخری کڑی تھی جو اللہ کے بندوں کے واسطے جدا ہو گئی اب آپ سوچیں کہ شہداء کو یہ عظیم مرتبہ کیوں ملا جواب ہے نبی کی اطاعت میں اور شہداء کا مقام صدیق کے بعد آتا ہے کوئی پوچھے صدیق کیسے بنا تو بھی جواب ہے نبی کی اطاعت میں، اب جب کہ نبی کی اطاعت مقامِ اوّل (صدیق) نہیں بلکہ مقامِ دوم (شہداء) کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ موت بھی ان کو نہیں مار سکتی تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مقامِ اوّل کے مقیم بھی موت سے نہیں مر سکتے اور جب اطاعت گزاروں کا یہ حال ہو تو جس مقدس ہستی کی اطاعت میں یہ مقام میسّر آئے وہ یقیناً ان سب سے بلند ہے موت تو اسے چھُو بھی نہیں سکتی یہ ایک نبی کا مقام ہے اور جب ایک نبی کا یہ مقام ہو تو لاکھوں نبیوں کے جو سردار ہیں ان کے حق میں موت کی کیا حقیقت رہ جائے

گی بالکل صفر ؎

نظر آئے گا اسی کو یہ جہان دوش و فردا
جسے آگئی میسّر میری شوخیٔ نظارہ
(اقبال)

پس ثابت ہوا کہ نبی کی پیدائش زندگی اور موت کوئی چیز بھی عام بشر کی طرح نہیں ہو سکتی یہ وہ پاک و برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کی پیدائش کا انتظام سالہا سال، پہلے سے شروع ہو جاتا ہے اور کارکنانِ قدرت کا مخفی ہاتھ اپنی جولانیاں دکھانے میں لگ جاتا ہے یاد فرمایئے فرعونِ مصر کی پیش بندیاں دربار کے چوٹی کے نجومی فرعون سے کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تمہاری حکومت کو نیست و نابود کر دے گا عقل و دانش کو خدا سمجھنے والا اور خدائی کا دعویدار حکم دیتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہر لڑکے کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے لیکن اس کے باوجود حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور اسی فرعون کے گھر پلے، اور جوان ہوئے جو اُن کی موت کا خواہاں تھا مشیئت ایزدی کا اعلان بوقتِ پیدائش سنیئے سورۃ القصص میں ارشاد ہے :-

"اور ہم نے حکم بھیجا حضرت موسیٰ کی والدہ کو کہ اس کو دودھ پلا اور جب تجھ کو ڈر ہو اس کا تو ڈال اس کو دریا میں اور بالکل نہ خوف کریں نہ غم ہم پھر اس کو تیری طرف پہنچا دیں گے اور کریں گے اس کو رسولوں میں سے"

معصوم بچہ پیدا ہوتا ہے ماں غم سے نڈھال ہو جاتی ہے کہ نہ جانے کس وقت ظالم فرعون کے ظالم کارندے آکر اس کا خاتمہ کر دیں حکم ربانی ہوتا ہے کہ آپ اسے آرام سے دودھ پلا کر دریا کی لہروں کے حوالے کر دیں ہم اس کے نگہبان ہیں عنقریب دوبارہ آپ سے ملایا جائے گا اور یہ کہ اس کو مرسلین میں کیا جائے گا حضرت موسیٰ کی والدہ معصوم بچہ کو دریا کی لہروں کے حوالے کر دیتی ہیں جو فرعونِ مصر کے محلات کے نیچے سے گذرتا ہے کوئی شخص حضرت موسیٰ کو دریا کی لہروں سے

اٹھا لیتا ہے اور ملکۂ عالیہ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے ملکہ معصوم بچے کو لے کر اُسے دل و جان سے چاہنے لگتی ہے اور پھر فرعون آجاتا ہے اور غصے سے پھنکارتا ہے لیکن ملکہ اسے ٹھنڈا کرتی اور فرماتی ہے کہ کتنا خوبصورت بچہ ہے شاید ہم اس کو اپنی اولاد بنالیں فرعون مان جاتا ہے اور دودھ کے واسطے دایہ کی تلاش شروع ہو جاتی ہے حضرت موسیٰ کسی دایہ کا دودھ نہیں پیتے آپ کی بہن قریب کھڑی سے وہ اپنی والدہ کا پتہ دیتی ہیں اور چند لمحوں بعد ماں کا لال پھر اپنی حقیقی ماں کی آغوش شفقت میں شاداں دودھ پی رہا ہوتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس بات کی قدرت نہیں رکھتی کہ پرورش کا ایسا انتظام کر سکے جانی دشمن کے محل میں پرورش اپنی حقیقی ماں کی آغوش شفقت میں اور کسی کو معلوم نہیں کہ بچہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا ہے۔ اللہ اکبر

تو جو چاہے تو اُٹھے سینہ صحرا سے حباب
تیری رحمت تو وہ ہے جس کی نہ حد ہے نہ حساب

میں نے حضرت موسیٰ کی پیدائش کا واقعہ نہایت اختصار سے لکھا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد سورتوں میں آپ کی حیاتِ اقدس کا ذکر موجود ہے مقصد صرف یہ ہے کہ نبی کی پیدائش اور پرورش کے واسطے جو خاص انتظام کیے جاتے ہیں وہ ناظرین پر واضح ہو جائیں اور انبیاء کا جسم و جان ہماری طرح کا ہونا ان کو بر بشر کی طرح نہیں بنا دیتا آپ حضرت یوسف کا واقعہ یاد فرمائیں جب عزیز مصر کی ملکہ اور مصری عورتوں کا دامِ فریب تار تار ہو جاتا ہے تو سب یک زبان ہو کر پکار اٹھتی ہیں کہ یہ کوئی انسان نہیں فرشتہ ہے غور فرماویں تو مصری عورتوں نے بشر کی بہت عمدہ نشاندہی کی ہے یعنی ایک بشر عورتوں کے دامِ فریب سے بچ نہیں سکتا۔ حُسن بھی ہو، حکومت بھی ہو پھر سپردگی کی دیوانگی بھی ہو تو بشر بیچارہ کیا کرے گا اور جو اس جال سے نکل جائے وہ یقیناً عام بشر نہیں ہو سکتا یہ ایک ایسا مقام ہے جو نہایت گہرا مطالعہ اور غور و فکر چاہتا ہے اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ انبیاءِ کرام پر بشر ہونے کا اعتراض کفار نے کیا تھا اور کسی مسلمان کو

ان کا ہم زبان ہونا کہاں زیب دیتا ہے۔

بشر کی صفات

جو حضرات بشر بمعنی عام انسان لینے پر مُصر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کوئی اعضائے جسمانی اور شکل انسانی رکھتا ہو وہ سب کے سب ایک جیسے ہیں تو ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ قرآن کریم کے ان مقامات پر غور فرماویں جہاں انسان کی اجتماعی صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے انسان ظالم اور جاہل ہے تو کیا یہ ظالم اور جاہل ہونا ہر انسان کے لیئے لازم آئے گا سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے خلق الانسان ضعیفا اور انسان کو ہم نے کمزور بنایا اسی طرح سورۃ المعارج میں فرمانِ باری ہے :۔

" بے شک انسان بنا ہے جی کا کچا جب پڑے کوئی برائی تو گھبرا دے اور جب پہنچے خیر تو نہ دینے والا ہو"

سورۂ العدیت میں ارشاد ہے ان الانسان لربہٖ لکنود انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ دوسری سورۃ میں ارشاد ہے :۔

" قسم ہے یوم قیامت کی اور قسم ہے نفسِ لوامہ کی کیا خیال کرتا ہے انسان کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں "

یقیناً ہڈیوں کو جمع کیا جائے گا اور کوئی اللہ کا بندہ اس سے منکر نہیں ہو سکتا لیکن یقیناً کچھ منکر موجود ہیں جن کی خاطر اتنی تاکیدی آیت نازل فرمائی گئی اور بلا شبہ ایسے منکر بھی تو بشر ہی تھے۔

اسی طرح انسان کی فطری اور طبعی کمزوریوں کا ذکر بار بار فرمایا گیا جن سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن مجھے پورا پورا یقین ہے کہ کوئی مسلمان معاذ اللہ کسی نبی کی شانِ اقدس میں ظالم، جاہل، جی کا کچا، رب کا ناشکر گذار اور قیامت کا منکر جیسے الفاظ استعمال نہیں کرے گا اگر کرے گا تو قرآن حکیم کی صریح خلاف ورزی کرے گا وہ دائرۂ ایمان سے خارج تصور ہو گا پس یہی حال بشر کا سمجھیں اور

اسی طرح اس کی ہمہ گیری کو محدود رکھیں میرے خیال میں صحیح راہ یہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ قرآنِ حکیم کی روشنی میں لبشر ہونا بھی کارے دارد ہے۔

ممکن ہے بعض حضرات کے دل میں خیال پیدا ہو کہ میں نے ایسی بات کہی ہے جو عقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی جو عقل کے تقاضے پورے نہیں کرتی تو عقل کو امام بنانے والوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ عقل بیچاری کی بساط ہی کیا ہے نہیں معلوم کہ وُہ خود کیا ہے کیا موجودہ زمانہ کی سائینسی ایجادات کا چند سال پہلے تصور بھی کیا جا سکتا تھا عقل تو اس وقت بھی تھی یا کیا آپ سوچ سکتے ہیں آئندہ چند سال میں کیا ہونے والا ہے کیا آپ اپنی عقل پر بھروسہ کر سکتے ہیں کہ جو فیصلہ یہ آج دے رہی ہے یہی دس سال بعد دے گی یا دس سال پہلے اسی کا یہی فیصلہ تھا جو آج ہے کیا عقل اس مسئلہ کا حل ڈھونڈ سکتی ہے کہ ایک سی کوشش ایک سے نتائج کیوں بر آمد نہیں کرتی جس کسوٹی کی یہ حقیقت ہو اس کو کس طرح منصف ٹھہرایا جا سکتا ہے حضرت اقبال رہنمائی فرماتے ہیں ؎

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

لہٰذا لازم آتا ہے کہ ایسے نازک موقع پر عقل فرمایہ کے ہاتھوں سے زمامِ عشق چھین کر دل کے ہاتھ دے دینی چاہیئے کیونکہ یہ وہ نازک مقام ہے جہاں عقل وخرد کی موشگافیاں دھوکہ کھاتی رہیں گی۔

خرد سے رہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغِ رہگذر ہے!
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ رہگذر کو کیا خبر ہے

اس ساری بحث کے باوجود آپ اگر ذرا غور فرماویں تو یہی حضرات جو بشر کو اتنی وسعت دینا چاہتے ہیں کہ اپنے موحد ہونے پر مہر ثبت کر سکیں ان

کا اپنا دل بھی ان کی تحقیق پسند نہیں کرتا ان حضرات کے نام پر اگر آپ توجہ فرمادیں تو اصلی نام کا دور دور تک پتہ نہیں چلے گا کہیں کسی نے سید کا دامن تھاما کوئی صدیقی، کوئی فاروقی کی چادر اوڑھے پھر رہا ہے۔ بابر، اکبر، اورنگزیب بلبن یا التمش کے اصلی نام کیا تھے تو یہ سارا کیا چکر ہے کیوں نصیر الدین یا جلال الدین نام پسند نہیں رہے موجودہ دور کے بڑے بڑے علماء، صوفیاء اور شعراء تک کا اصلی نام کم کو معلوم ہو گا بہت سے ایسے ہیں جو اپنے آپ کو مولنا، سیدنا، حضرت صاحب یا امام صاحب کہلوانا پسند کرتے ہیں یہ سب جھنجھٹ محض انا کی تسکین ہے عام انسانوں سے ذرا بلند سطح پر رہنے کی تمنا ہے عوام کے خادم تک عوام سے دور بھاگتے ہیں اور قائد عوام کہلاتے ہیں یہ سب کچھ اگر جائز ہے تو پھر میں جو مثل کہا گیا ہے وہ مخصوص اور محدود معنوں میں رہنے دیجئے خاص طور پر جب اللہ کے پیاروں کا ذکر ہو رہا ہو جن کا حال اللہ ہی جانتا ہے سے

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

باب دوم

تخلیقِ آدم

طلسمِ بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے قادر نہیں ہے جس پہ سخن
اگر نہ ہو تجھے اُلجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجودِ حضرتِ انسان نہ روح ہے نہ بدن

(اقبالؒ)

تخلیقِ آدم

مشیّتِ ایزدی

تخلیقِ آدم

مسجودِ ملائک

انکارِ ابلیس

عقل و عشق

خروج از جنّت

ابلیس کی شکست

تخلیقِ آدم

مشیتِ ایزدی

پہلے باب میں بشر کی حقیقت اس کا مفہوم اور مومن و کافر کا فرق عرض کیا گیا ہے اس فرق کو سمجھنے کے واسطے ضروری ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق کا مطالعہ کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خالق اکبر نے اپنے بندوں اور منکرینِ حق کے مقامات میں جو تفاوت رکھی ہے وہ کتنی صحیح ہے۔

ذرا تصور کیجئے اس زمان و مکان کا جب خالقِ کل نے زمین و آسمان، سمندر پہاڑ، دریا، چاند، ستارے، فرشتے اور جن پیدا فرما دیئے اور خود ذاتِ باری تعالیٰ شانِ کبریائی سے تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہیں کائنات کی ہر شے ذکر و تسبیح اور حمد و تمجید میں ڈوبی ہوئی ہے سب کے سر حضورِ حق میں سجدہ ریز ہیں کسی کو مجال نہیں کہ دم مار سکے ساری فضا سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کے نعرہ ہائے مستانہ سے معمور ہے مہرِ عالمتاب کو تاجِ زر، چاند کو چاندنی ستاروں کو تابندگی شبنم کو رونا، گُل کو ہنسنا مل چکا تھا اور ہر کوئی اپنی قسمت پر نازاں تھا پھولوں کو سرخ و سپید اور درختوں کو ہرے بھرے لباس سے سجایا جا چکا تھا گویا تمام کائنات نور میں منور کر دی گئی اور ہر چیز اپنے خالق کے آگے سربسجود تھی۔

یکایک مشیتِ ایزدی کا اعلان ہوا۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔

"میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں"

بشر کا صحیح مفہوم

قرآن حکیم کا بغور مطالعہ اس اہم نکتہ سے پردہ اٹھاتا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے رسول اس دنیا میں تشریف لائے اور بھٹکی ہوئی قوم کو راہِ مستقیم کی طرف بلایا ہمیشہ یہی ہوا کہ قوم کا سوادِ اعظم اس ذاتِ اقدس کا جانی دشمن بن گیا جس کے مبارک لبوں سے نعرہ توحید بلند ہوا انسانی ذہن و فکر نے ہر وہ حربہ آزمایا جس سے ایسے بزرگ و برتر انسان کی شکست یا حوصلہ شکنی کی ذرا بھی امید کی جا سکتی تھی تاریخ کا مطالعہ بھی اس امر پر شاہد ہے کہ طاغوتی طاقتیں ہمیشہ متحد ہو کر نورِ ربانی کو مٹانے کے درپے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ صحیح ثابت ہوتا رہا کہ جاء الحق وذھق الباطل

مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کیا صحیح فرمایا ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

سورۃ التوبہ میں فرمانِ باری ہے :-

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی روشنی اپنی پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ روشنی پوری کیئے بغیر رہنے والا نہیں اگرچہ کافروں کو پسند نہ آئے"

کفر و باطل کی فوجوں نے آخری معرکہ آرائی سے پہلے ہمیشہ طعن و تشنیع سے اپنا مقصد نکالنا چاہا اور اللہ کے برگزیدہ رسولوں کو کبھی مجنوں کہا، کبھی شعبدہ باز، کبھی جادوگر، کبھی شاعر اور کبھی جاہ و مرتبہ کا متمنی چونکہ نبی کے اوّلین مخاطب ہمیشہ شرک و گمراہی کی ظلمتوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے ہر قبیلہ کے کئی کئی خدا اور کئی قسم کی مکروہ رسومات ہوتی تھیں اس واسطے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ نبی یا رسول کو مافوق الفطرت ہستی ہونا چاہیئے جو خدا کا برگزیدہ ہے وہ اس بات کو سمجھنے میں دقت محسوس کرتے تھے

کائنات تھم گئی، فرشتوں کو حیرت ہوئی اور ڈرتے ڈرتے عرض کر ہی دی کہ بارِ الٰہا کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گا اور خوں ریزی کرے گا حالانکہ ہم حضور کی حمد و ثنا کرتے ہیں پاکی و قدوسی کا اقرار کرتے ہیں۔ نہ جانے فرشتوں نے یہ باتیں کیسے عرض کر دی تھیں بہرحال دل کی بات زبان پر آ ہی گئی لیکن باری تعالیٰ نے فرمایا میری نظر جس حقیقت پر ہے اس کی تمہیں خبر نہیں باری تعالیٰ کا اٹل فیصلہ سُن کر فرشتے حمد و تمجید میں محو ہو گئے اور پھر لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ حضرت انسان کو پیدا فرما کر حمد و ثنا سے کچھ زیادہ چاہتے والے تھے ورنہ کائنات کا ذرہ ذرہ محوِ تسبیح تھا کیا سراپا حُسن و جمال کو عاشق جانباز کی ضرورت تھی؟

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ (اقبال)

آگے چلنے سے پہلے مشیت ایزدی کو اچھی طرح ذہن نشین فرما لیجئے اب آپ سوچیں کہ نائب کا کام کیا ہے اپنے مالک کے احکام کی مکمل پیروی جب تک نائب میں اطاعت، دیانت، امانت قائم رہے گی مالک کا احسان و کرم بڑھتا جائے گا درجات بلند ہوتے جائیں گے یہی کچھ آپ حکمرانوں میں بھی دیکھتے ہیں کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی حکومت یا ایسی ریاست آسکتی ہے جہاں مملکت کے سربراہ کا نائب اس کی حکم عدولی بھی کرے اور پھر دندناتے ہوئے اس کی بادشاہی میں پھرتا بھی رہے جواب یقیناً نفی میں ہوگا ہمارے سر شرم و ندامت سے جھک جانے چاہئیں کہ ہم بہ کمال بے حیائی اپنے مالک کی حکومت میں اس کی جملہ نعمتوں سے سرفراز بھی ہیں لیکن کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا کہ اس مالک کے احکام کا بھی خیال رکھیں جس کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ ایک لمحہ میں کائنات کو نیست و نابود کر دے معلوم ہوا کہ نائب

پیدا فرمانے کا مقصد احکامِ ربانی کی اطاعت اور زمین میں ان کی تبلیغ تھی۔

تقدیر کے پابند جمادات نباتات
مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

اب آگے چلیں قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

"جب فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں بناتا ہوں مٹی سے انسان پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑو۔" (سورہ ص)

سورۂ حجر میں ارشادِ گرامی ہے:

"بلا شبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھائے ہوئے گارے سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے اور اس سے پہلے ہم جنوں کو ہوا کی جلتی ہوئی گرمی سے پیدا کر چکے تھے اور جب ایسا ہوا کہ آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اُسے درست کر دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو چاہیئے کہ تم سب اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔"

مندرجہ بالا آیات قصۂ آدم کی ابتدائی کڑیاں ہیں اس کی تخلیق مٹی سے ہوئی لیکن ایسی مٹی سے جس کا خمیر اٹھ چکا تھا کوئی انسان اندازہ نہیں کر سکتا کہ مٹی کے خمیر اٹھنے میں کتنی صدیاں گذری ہوں گی جب خمیر اٹھ گیا اور پھر سوکھ کر بجنے لگا تو حضرتِ انسان کا جسم تیار کیا گیا جسم تیار ہو گیا تو بشر بن گیا اس مقام پر بھی وہ حضرات غور فرمالیں جو بشر بمعنٰی عام انسان لیتے ہیں یہاں قرآنِ حکیم جسم کو بشر فرما رہا ہے جو مٹی سے تیار کیا گیا آگے ارشاد ہے اور جب اس میں اپنی روح پھونک دوں تو چاہیئے کہ تم سب اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ

معلوم ہوا کہ ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب اِنسانی ہیولیٰ میں، روح پھونکی جائے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح کیا ہے قرآنِ حکیم اس کے جواب فرماتا ہے "روح اللہ کے حکم سے ہے" یہی وُہ لطیف راز ہے جس کی طرف حضرت علامہ اقبال نے اشارہ فرمایا ہے ؎

طلسم بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے قادر نہیں ہے جس پہ سخن
زمانہ صبح ازل سے رہا ہے محوِ سفر!
مگر یہ اس کی تنگ و دو سے ہو سکا نہ کہن!
اگر نہ ہو تجھے اُلجھن تو کھول کر کہہ دوں!
وجودِ حضرتِ انسان نہ روح ہے نہ بدن

جسم مٹی سے بنایا گیا اس میں روح پھونکی گئی روح! اللہ کے حکم سے ہے دیکھیئے اور سوچیئے انسان کیا بن گیا مٹی کا حقیر ذرہ جب حکم بنتا ہے تو اس کی وسعت کا کیا کہوں۔ مومن کا یہ مقام بلند بزبان حضرت علامہ اقبال ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن!
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قرآن ایک دستورالعمل ہے اللہ کے احکام کا مومن ان احکامِ الٰہی میں سے ایک حکم ہے لہذا قرآن بن گیا اب اس پر لازم آتا ہے کہ جس چیز کا یہ حصہ ہے اسے مِن وعَن اپنا لے اور قرآن کی مکمل تفسیر بن جائے۔

روح کی اہمیت جاننے کے بعد آگے چلیئے انسانی ہیولیٰ تیار ہے اللہ کی روح پھونکی جا چکی ہے اب حضرت آدم کائنات ارضی کے مقابل کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور افضل ترین مخلوق ملائکہ سے خالقِ کائنات مخاطب ہیں کچھ چیزیں پیش کی گئی ہیں اور حکم ہوا بتاؤ ان اشیاء (حقائق) کا نام کیا ہے اگر تم اپنے اس شبہ پر درستی پر ہو جو تم نے ابھی تخلیقِ آدم کی مشیّت کے

وقت ظاہر کیا ہے فرشتے حیران و پریشان ہو کر عرض کرتے ہیں الٰہی ساری پاکیاں اور بزرگیاں آپ کے لیئے ہی ہیں ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھلایا ہے بیشک تو بڑے ہی علم اور حکمت والا ہے ہم اس سوال کا جواب نہیں جانتے۔

فرشتوں کا عجز و انکساری سے لاعلمی کا اظہار پا کر حضرت آدم کو مخاطب فرمایا جاتا ہے کہ لے آدم تم ان حقائق کے نام بتلاؤ حضرت آدم کو ان حقائق کا علم باری تعالیٰ نے عطا فرما دیا تھا اس لیئے آپ نے حقائق کا نام بتلا دیا اور فرشتے حیرت اور استعجاب میں ڈوب گئے اور کوئی پکار اٹھا ہے

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد

حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

خالق اکبر نے حضرت آدم کو جملہ کائنات پر بزرگی عطا فرما کر انی اعلم مالا تعلمون کو صحیح ثابت فرما دیا اور تمام فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ تمام فرشتے باری تعالیٰ کا حکم پاتے ہی آدم کے آگے سجدہ میں گر گئے لیکن ایک ہستی ایسی بھی تھی جس نے آدم کو سجدہ نہ کیا اور تنی ہوئی گردن لیئے کھڑا رہا جب سے کائنات بنی تھی یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک مخلوق نے اللہ کا حکم ماننے سے گریز کیا تھا۔ اور وہ تھا ابلیس یعنی شیطان اور انسان کی تخلیق کے بعد اس کی عزت و عظمت کا یہ سب سے پہلا موقعہ تھا جب اللہ نے اسے بزرگی عطا فرمائی لیکن شیطان نے اس کی عظمت و عزت سے جل کر خالق اکبر کے حکم سے رُوگردانی کر دی تھی دنیا میں عزت اور نیک نامی ایک ایسی بیش بہا دولت ہے کہ کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہوگا جو اس کے حصول کے واسطے جان جوکھوں میں ڈالنے سے گریز کرے اور جونہی کسی کی عزت پر زد پڑتی ہے تو وہ اپنی ہر متاع عزیز عزت اور عظمت کے تحفظ میں لٹانے پر تل جاتا ہے دنیا کی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں جانیں عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر قربان کر دی گئیں۔ کتنی ہی آبادیاں، سرسبز و شاداب کھیتیاں اسی آن کو برقرار رکھنے کے واسطے

حضرت انسان کے قہر و غضب کی بھینٹ چڑھ گئیں عزت و ناموس وہ متاعِ بے بہا ہے جس کی حفاظت میں کوئی قربانی، کوئی مکر، کوئی حیلہ اور کوئی طاقت آزمانے سے انسان باز نہیں آتا لیکن اس اوّلین چیلنج کے وقت اس کے پاس کیا تھا صرف ایک جان دیکھئے اور غور سے سوچئے کہ آپ کی آن کس نے بچائی دشمن کون ہوا اور خیر خواہی کس نے چاہی غور فرمایئے کیونکہ اب ؎

"حلقۂ آفاق میں گرمئ محفل ہے تو"

انکارِ ابلیس

جب باری تعالیٰ نے دیکھا کہ ابلیس نے حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا تو ارشاد فرمایا "اے ابلیس تجھے کس بات نے منع کیا کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور جب کہ میں نے حکم دیا تھا کیا تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجے میں"

ابلیس نے جواب دیا "مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے کیا تیرا یہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس حقیر ہستی کو مجھ پر بڑائی دی اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے دے تو میں ضرور اس کی نسل کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کے رہوں"

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی باتیں سُنیں اور ارشاد فرمایا اگر ایسا ہے تو یہاں سے نکل جا کہ تو راندۂ درگاہ لعنتی ہوا قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت برستی رہے گی جنت سے نکل جا تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سر کشی کرے یقیناً تو ذلیل اور خوار ہوا۔

حضرتِ انسان کو لازم آتا ہے کہ اس اوّلین کشمکش پر ہمیشہ نظر رکھے اور دیکھے کہ کس نے عزت و ناموس پر حملہ کیا اور کس نے اس کی عزت کے تحفظ میں کیا کیا دشمن کون اور دوست کون بنا۔

شیطان نے پھٹکار سنی فرشتوں نے لعنت کا طوق اس کے گلے میں،

دیکھا تو کانپ گئے اور اللہ کی کبریائی کے آگے سربسجود ہو گئے لیکن انسان کے دشمن ازلی نے کیا کیا اسے اب بھی اپنی غلطی کا احساس نہ ہوا اس نے عقل کا سہارا لے کر ایک بنیاد تراشی تھی کہ چونکہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اس لیئے حضرت آدم سے افضل ہے وُہ خدا تعالیٰ کے حکم کی اہمیت کو بھول گیا وُہ یہ نہ سمجھا کہ مٹی کے آدم کے آگے نہیں جھکنا بلکہ اللہ کے حکم کے آگے جھکنا ہے اور عقل کا پردہ اس پر یہ حقیقت نہ کھول سکا کہ حضرت آدم صرف مٹی کا پتلا ہی نہیں یہ ہستی اللہ کے ہاتھ سے بنائی گئی ہے پھر اس نے اس میں اپنی روح پھونکی ہے اور روح درحقیقت اللہ کے احکام میں سے ایک حکم ہے جس سے کائنات بنی تھی عقل کا یہ پہلا مظاہرہ تھا اور ناظرین جان لیں کہ یہ بھی حضرتِ انسان کی دشمنی میں ظاہر ہوا تھا ۔

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ

آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد! (اقبال)

شیطان اپنے کیئے پر نادم نہیں ہوتا عقل کی زمام تھام چکا ہے دیکھیئے اسے کہاں لے جاتی ہے جب باری تعالیٰ نے حکم فرمایا تو قیامت کے دن تک لعنتی ہوا تو ابلیس نے کہا خدایا مجھے اس دن تک کے لیئے مہلت دے دے جب انسان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا ارشاد باری ہوا جا تجھے اس وقت تک لیئے مہلت عطا کر دی گئی شیطان نے کہا خدایا چونکہ تو نے مجھ پر نجات وسعادت کی راہ بند کر دی ہے تو اب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں انسان کے واسطے جھوٹی خوش نمایاں بنا دوں گا اور ان کو راہِ حق سے گمراہ کروں گا اب میرا کام یہ ہوگا کہ تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے واسطے بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں گا۔ پھر سامنے سے، پیچھے سے، داہنے سے، بائیں سے غرضیکہ ہر طرف سے ان پر آؤں گا اور قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو لیکن ہاں جو تیرے مخلص بندے ہیں اُن پر

داؤ نہ چل سکے گا۔

ابلیس نے انسان کے جدِ امجد کے مقابلہ میں شکست کھائی لیکن اپنی اس بے عزتی کو بھولا نہیں جو نہی سُنا کہ قیامت تک کے لیئے تجھ پر لعنت برستی رہے گی فوراً خیال کیا کہ انسان کی دنیاوی زندگی ہی اصل میزان ہو گی اگر اس کو غارت کر دیا جائے تو انسان بھی تباہ و برباد ہو گا لہذا انسان کے اس اولین غنیم نے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دِن تک مہلت مانگی جو عطا فرما دی گئی کیونکہ بارگاہِ صمدیت سے کوئی پکار ٹھکرائی نہیں جاتی۔ شیطان نے ہتھیار پا کر فوراً اپنے دل کا غبار نکال دیا چونکہ یہ معاملہ عزت کا تھا لہذا شیطان بھی اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ بنی آدم کو ہر طرح گمراہ کرنے میں پوری پوری جد و جہد کرے گا اور کہتا ہے کہ زیادہ حصہ میں لے لوں گا البتہ اللہ کے بندوں سے اب بھی ڈر ہے حضرات خیال فرمائیں کہ بنی آدم کی وحدت یہاں سے بٹ گئی ایک وہ جو اللہ والے ہوئے، جس نے ان کو پیدا فرمایا، عزت رکھی، عظمت اور بزرگی عطا کی اور بے شمار احسانات سے نوازا دوسرا وہ گروہ جو شیطان کی طرف گیا وہ شیطان جس نے اس کی عزت و عظمت ماننے سے اوّل روز ہی سے انکار کر دیا تھا اور اس کو گمراہ کرنے کے واسطے تمام اطراف سے حملہ آور ہونے کی قسم کھائی کیا وہ بدبخت ہر سزا کا مستحق نہیں جو اس ازلی دشمن کے پلے پڑتا ہے دِل کی آنکھوں سے دیکھیئے، سوچیئے اور غور و فیصلہ فرمایئے۔

باری تعالیٰ نے شیطان کا دعویٰ سنا اور فرمایا نکل جاؤ یہاں سے تم لعنتی ہو، جو تیرے فریب میں آیا اور مشرکانہ خرافات کو اپنایا میں اس کو اور تجھے جہنم میں بھر دوں گا جا اور انسانوں میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سُنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کر لے اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے ان پہ حملہ کر لے ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جا ان سے طرح طرح کی باتوں کا وعدہ کر لے لیکن میرے بندے جان لیں گے تیرے تمام وعدے

اور خوشنما امیدیں سر تا سر دھوکہ ہیں تو ان پر قابو پانے والا نہیں۔

شیطان کو لعنتی قرار دے کر نکال دیا گیا اور حضرت آدم کو بزرگی عطا فرمائی گئی باری تعالیٰ نے حضرت آدم کی تنہائی بھی پسند نہ فرمائی اور ان کی رفیقہ حیات پیدا فرما کر حکم دیا تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو جہاں کسی نعمت کی کمی نہیں ان تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہو جہاں سے چاہو کھاؤ پیو اور امن چین کی زندگی بسر کرو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا اگر گئے تو یاد رکھو تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اے آدم دیکھ لے یہ ابلیس تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال کے رہے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ جنت میں تمہارے لیئے ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں بھوکے رہو گے نہ تمہارے لیئے پیاس کی جلن ہے نہ سورج کی تپش۔

فرمانِ باری سُن کر حضرت آدم بمعہ اپنی بیوی کے جنت میں مقیم ہو گئے اور اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے وقت گذرتا گیا اور شیطان حضرت آدم پر حملہ آور ہونے کی کوشش میں لگا رہا آخر اس کا فریب چل گیا ایک دن شیطان نے حضرت آدم کو وسوسہ میں ڈالا اس نے کہا اے آدم کیا میں تجھے ابدی زندگی کا نشان دے دوں اور ایسی بادشاہی کا بھی جو کبھی زائل نہ ہو تمہارے پروردگار نے اِسی درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس واسطے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم فرشتہ بن جاؤ یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے اس نے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلایا کہ میں تم دونوں کو خیر خواہی کی بات سمجھانے والا ہوں۔

شیطان نے وہ جال پھینکا تھا کہ جس کی تمنا آج تک ابن آدم کے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے یعنی ابدی زندگی، عزت وعظمت اور بزرگی لیکن حل وہ پیش کیا تھا جو اللہ کے حکم کے خلاف تھا کتنا خوش نما وعدہ کر رہا تھا بعینہ اپنے منشور کے مطابق غرضیکہ شیطان انہیں فریب میں لے آیا پھر جونہی انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھا تو ان کے ستر ان پر کھل گئے اور سراسیمگی کے عالم میں درخت کے پتے

داؤ نہ چل سکے گا۔

ابلیس نے انسان کے جدِ امجد کے مقابلہ میں شکست کھائی لیکن اپنی اس بے عزتی کو بھولا نہیں جو نہی سُنا کہ قیامت تک کے لیئے تجھ پر لعنت برستی رہے گی فوراً خیال کیا کہ انسان کی دنیاوی زندگی ہی اصل میزان ہو گی اگر اس کو غارت کر دیا جائے تو انسان بھی تباہ و برباد ہو گا لہذا انسان کے اس اولین غنیم نے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن تک مہلت مانگی جو عطا فرما دی گئی کیونکہ بارگاہِ صمدیت سے کوئی پکار ٹھکرائی نہیں جاتی۔ شیطان نے ہتھیار پاکر فوراً اپنے دل کا غبار نکال دیا چونکہ یہ معاملہ عزت کا تھا لہذا شیطان بھی اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ بنی آدم کو ہر طرح گمراہ کرنے میں پوری پوری جدوجہد کرے گا اور کہتا ہے کہ زیادہ حصہ میں لے لوں گا البتہ اللہ کے بندوں سے اب بھی ڈر ہے حضرات خیال فرمائیں کہ بنی آدم کی وحدت یہاں سے بٹ گئی ایک وہ جو اللہ والے ہوئے، جس نے ان کو پیدا فرمایا، عزت رکھی، عظمت اور بزرگی عطا کی اور بے شمار احسانات سے نوازا دوسرا وہ گروہ جو شیطان کی طرف گیا وہ شیطان جس نے اس کی عزت و عظمت ماننے سے اوّل روز ہی سے انکار کر دیا تھا اور اس کو گمراہ کرنے کے واسطے تمام اطراف سے حملہ آور ہونے کی قسم کھائی گیا وہ بدبخت ہر سزا کا مستحق نہیں جو اس ازلی دشمن کے پلے پڑتا ہے دِل کی آنکھوں سے دیکھیئے، سوچیئے اور غور و فیصلہ فرمائیے۔

باری تعالیٰ نے شیطان کا دعویٰ سنا اور فرمایا نکل جاؤ یہاں سے تم لعنتی ہو، جو تیرے فریب میں آیا اور مشرکانہ خرافات کو اپنایا میں اس کو اور تجھے جہنم میں بھر دوں گا جا اور انسانوں میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سُنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کر لے اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے ان پہ حملہ کر لے ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جا ان سے طرح طرح کی باتوں کا وعدہ کر لے لیکن میرے بندے جان لیں گے تیرے تمام وعدے

اور خوشنما امیدیں سرتاسر دھوکہ میں تو ان پر قابو پانے والا نہیں۔

شیطان کو لعنتی قرار دے کر نکال دیا گیا اور حضرت آدم کو بزرگی عطا فرمائی گئی باری تعالیٰ نے حضرت آدم کی تنہائی بھی پسند نہ فرمائی اور ان کی رفیقہ حیات پیدا فرما کر حکم دیا تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو جہاں کسی نعمت کی کمی نہیں ان تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہو جہاں سے چاہو کھاؤ پیو اور امن چین کی زندگی بسر کرو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا اگر گئے تو یاد رکھو تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اے آدم دیکھ یہ ابلیس تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال کے رہے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ جنت میں تمہارے لیئے ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں بھوکے رہو گے نہ تمہارے لیئے پیاس کی جلن ہے نہ سورج کی تپش۔

فرمان باری سن کر حضرت آدم بمعہ اپنی بیوی کے جنت میں مقیم ہو گئے اور اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے وقت گذرتا گیا اور شیطان حضرت آدم پر حملہ آور ہونے کی کوشش میں لگا رہا آخر اس کا فریب چل گیا ایک دن شیطان نے حضرت آدم کو وسوسہ میں ڈالا اس نے کہا اے آدم کیا میں تجھے ابدی زندگی کا نشان دے دوں اور ایسی بادشاہی کا بھی جو کبھی زائل نہ ہو تمہارے پروردگار نے اسی درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس واسطے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم فرشتہ بن جاؤ یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے اس نے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلایا کہ میں تم دونوں کو خیر خواہی کی بات سمجھانے والا ہوں۔

شیطان نے وہ جال پھینکا تھا کہ جس کی تمنا آج تک ابن آدم کے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے یعنی ابدی زندگی، عزت وعظمت اور بزرگی لیکن حل وہ پیش کیا تھا جو اللہ کے حکم کے خلاف تھا کتنا خوشنما وعدہ کر رہا تھا بعینہ اپنے منشور کے مطابق غرضیکہ شیطان انہیں فریب میں لے آیا پھر جونہی انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھا تو ان کے ستر ان پر کھل گئے اور سراسیمگی کے عالم میں درخت کے پتے

دکھ کر اپنے جسم پر چپکانے لگے اور ان سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے۔

اب تک باری تعالیٰ آدم اور شیطان کی دوڑ دیکھ رہے تھے دونوں کو اپنی اپنی راہ چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی حضرت آدم اور ان کی بیوی کو بتا دیا گیا تھا کہ اس درخت کے قریب مت جانا اور یاد رکھنا کہ ابلیس تمہارا کھلا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال دے لیکن ان کو شیطان نے دھوکہ دے کر میدان مار ہی لیا اب باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کی وسوسہ اندازی نے تم دونوں کے قدم ڈگمگا دیئے حالانکہ تم صبر و سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ اِس درخت کے قریب بھی مت جانا۔

حضرت آدم اور آپ کی بیوی نے عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لیئے بربادی کے سوا کچھ نہیں ہم اپنی لغزش کی معافی چاہتے ہیں اور تو بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور سیدہ حوا کی انکساری اور اپنے کیئے پر ندامت دیکھی تو ان کی لغزش کو معاف فرما دیا لیکن جنت کا مقام چھین کر حکم دیا کہ اب تمہارے لیئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں کے سروسامان زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے اسی میں جیو گے، اسی میں مرو گے پھر اسی سے اٹھائے جاؤ گے یہاں سے نکل جاؤ اور یاد رکھو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور جب ہماری طرف سے ہدائیت پہنچے تو جو کوئی میری ہدائیت کی پیروی کرے گا، اطاعت کرے گا اس کے واسطے کسی قسم کا خوف و ہراس نہیں ہو گا اور جو لوگ اس سے منکر ہوں گے وُہ جہنمی ہوں گے جہاں دردناک عذاب دیا جائے گا یہ ایک ایسا ٹھکانہ ہو گا جہاں آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا اور اس کی گرمی کی شدت سے جو کچھ ان کے پیٹ میں ہو گا جل کر گل اُٹھے گا ان کے جسم کے چمڑے کا بھی یہی

حال ہوگا جب کبھی شدت عذاب ۔کے دکھ سے وہ نکلنا چاہیں گے تو ان کی روک تھام کے واسطے لوہے کے گرز ہوں گے اور پھر اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے ۔ تا کہ عذاب سوزاں کا مزہ چکھیں ۔

پیشتر اس کے کہ حضرت آدم کی اس روئداد پر کچھ عرض کیا جائے بہتر ہوگا کہ ناظرین بروزِ حساب شیطان کا سلوک ملاحظہ فرمالیں ۔ سورۂ ابراہیم میں ہے :۔

" اور جب فیصلہ ہو چکا تو شیطان بولا بلاشبہ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ اور وہ پورا ہو کر رہا میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا مگر اُسے پورا نہ کیا مجھے تم پر کسی طرح کا تسلط نہ تھا کہ تم میری پیروی پر مجبور ہو گئے جو کچھ پیش آیا وہ صرف یہ ہے کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا بلاوا قبول کر لیا پس اب مجھے ملامت مت کرو آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو تم نے دنیا میں جو مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا تھا تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں بلاشبہ ظالموں کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے "

اب ناظرین اس سارے واقعہ پر غور فرمادیں جو زیب داستان نہیں ہے بلکہ قرآن حکیم کے ارشادت گرامی سے ماخوذ ہے یہ قصۂ رنگین قرآن کی متعدد سورتوں میں بیان فرمایا گیا کیونکہ اس کی اہمیت متقاضی ہے کہ بنی آدم اسے کبھی نہ بھولے ۔ سورۂ بقر، حجر، بنی اسرائیل، کہف، طہٰ، اعراف، نساء اور ص میں بیان شدہ مختلف کڑیوں کو جوڑنے سے یہ ترتیب بنی تھی جو ناظرین نے مطالعہ فرمائی جن حقائق سے پردہ اٹھتا ہے وہ یہ ہیں :

۱ ۔ انسان کی پیدائش کی غرض و غائت اللہ کی خلافت فی الارض ہے ۔

۲ ۔ انسان کا ہیولیٰ خمیر اُٹھے ہوئے گارے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ۔

۳- جب جسم آدم میں اللہ نے اپنی رُوح پھونکی تب مسجودِ ملائک بنا لہذا اصل شے روح ہے۔

۴- روح کی حقیقت کیا ہے قل الروح من امر ربی فرمایئے اے نبی کہ روح اللہ کے حکم سے ہے معلوم ہوا کہ حضرتِ انسان نہ جسم ہے نہ روح بلکہ اللہ کا حکم۔

۵- اپنی ذاتِ کبریائی کے علاوہ سب سے پہلا سجدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کرنے کا حکم دیا اور مخاطب تھے ملائک قدسی بمعہ جنات کے (جنات اس لئے کہ شیطان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وُہ جنوں میں سے تھا)

۶- سب سے پہلی ہستی جس نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا وُہ ابلیس ہے

۷- سب سے پہلی دشمنی جو اس کائنات میں ظاہر ہوئی وُہ تھی ابلیس کی عداوت انسان سے لہذا شیطان انسان کا اوّلین غنیم ٹھہرا اور جس نے قسم اُٹھا رکھی ہے کہ انسان کا قیامت تک دُشمن رہے گا۔

۸- سب سے پہلے جو ہستی اپنے کفر پر ڈٹی رہی اور عقل کو حیلہ بنا کر اپنے انکار کا جواز ڈھونڈا وہ تھا شیطان جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے ابدی لعنتی قرار دے کر بارگاہِ صمدیت سے پھٹکار دیا گیا۔

۹- سب سے پہلی ہستی جس سے لغزش ہوئی اور اپنی خطا پر ڈٹے نہیں عقل سے جواز نہ ڈھونڈا بلکہ نہایت شانِ بندگی سے اپنی غلطی کی معافی چاہی وُہ تھے حضرتِ آدم اور اُن کی بیوی معلوم ہوا کہ اللہ کے حضور سرکشی شیطان کا کام ہے اور اس کے درِ عالی پر سجدہ ریزی حضرت آدم کا شیوہ ہے۔ ایک کا نتیجہ لعنت اور دوسرے کا رحمت ہے۔

۱۰- انسان اپنے فعل میں خود مختار ہے باری تعالیٰ کی طرف سے راہِ مستقیم اس پر ظاہر فرما دی گئی اب یہ اس کا کام ہے کہ عشق حقیقی سے سرشار ہو کر اس راہ پر گامزن رہے۔

۱۱- شیطان انسان کا ابدی دشمن ہے جو ہر طرف سے اس کو گمراہ کرنے پر تلا ہوا ہے خوش نما وعدوں سے وہ اسے دامِ ضلالت میں جکڑنے کی ہر کوشش کر رہا ہے یہ حضرتِ انسان کا کام ہے کہ وہ اس جال سے آگاہ ہو اور اُسے تار تار کر کے مقامِ کبریا کی طرف گامزن رہے۔

۱۲- حقیقی چیز روح ہے ممکن نہ تھا کہ جہاں جسمانی نشو و نما کے واسطے بیشمار چیزیں پیدا فرمائی گئی ہیں وہاں روحانی غذا کا انتظام نہ ہوتا۔ یہ غذا جب بھی باری تعالیٰ نے مناسب سمجھا آتا رہا جس کی انتہا قرآن کریم ہے جو حکم قرآن میں ہے یا صاحب قرآن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے وہی حق ہے اور ان کے اطاعت گذار بلا شبہ حزب اللہ ہیں۔

۱۳- اس دنیا میں بنی آدم کا قیام ایک خاص مقررہ وقت کے واسطے ہے یہاں ہی مرنا اور پھر اٹھنا ہے یہی وہ آماجگاہ ہے جہاں حق و باطل کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔

۱۴- قیامت اٹل ہے باطل پرستوں کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔ اور حق پرستوں پر بے شمار رحمتوں کا نزول ہوگا حتیٰ کہ وہ خود راضی ہو جائیں گے۔

۱۵- شیطان قیامت میں موجود ہوگا اس کے پرستار وہاں اسے پہچان کر اس سے مدد چاہیں گے اس کے وعدے یاد کرائیں گے مگر وہ سب سے منکر ہو جائے گا اور اپنی بے زاری ظاہر کر دے گا یہ کہہ کر باطل پرستوں کا منہ چڑائے گا کہ میں نے تو صرف تمہیں بلایا تھا اور تم بغیر سوچے سمجھے دوڑے چلے آئے اب مجھے ملامت کیوں کرتے ہو۔

مندرجہ بالا چند نمایاں حقائق میں نے عرض کیے ہیں اہلِ نظر حضرات اور کئی حقائق سے پردہ اُٹھا سکتے ہیں اب سوچنا یہ ہے کہ کیا زمین پر حضرت آدم

کی تشریف آوری کوئی سزا تھی؟ نہیں یہ سزا ہرگز نہیں تھی بلکہ حق کو باطل نے للکارا تھا جس کے واسطے میدانِ کارزار کی ضرورت تھی دوم یہ مشیتِ ایزدی تھی تاکہ فرشتے دیکھ لیں انی اعلم مالا تعلمون کی حقیقت کیا ہے اس ساری کشمکش کو مکمل کرنے کے واسطے حضرت آدم کے ساتھ شیطان کا ہونا ضروری تھا۔ سفید رنگ کھل کر سامنے نہیں آسکتا جب تک سیاہ اس کے مقابل نہ ہو حق کی قوت و طاقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک باطل اس سے نبرد آزما نہ ہو، عشق کی طغیانیوں کا علم نہیں ہو سکتا جب تک عقل کے خار و خس اس کا راستہ نہ روکیں ؎

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ!
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

شکستِ ابلیس

حضرت آدم جب دنیا میں تشریف لائے تو جان چکے تھے کہ ان کا واضح دشمن ابلیس ہے ایک دفعہ دھوکہ کھا چکے تھے۔ اب دوبارہ دھوکہ کھانا مشکل تھا چنانچہ کائنات نے دیکھا کہ ابنِ آدم نے اپنے جدِ امجد کا خوب خوب بدلہ لیا حضرت خلیل اللہ کے سامنے شیطان کی طاغوتی فوجیں نمرود کی شکل میں نمودار ہوئیں جو طاقت اور جبروت میں لاثانی تھیں لیکن حضرت ابراہیم نے تن تنہا ان طاغوتی طاقتوں کو مقابلہ پر للکارا اور شکستِ فاش دی حضرت اسماعیل ابھی مشکل سے جوان ہوئے ہیں اور حضرت ابراہیم کے بڑھاپے کی واحد آس ہیں لیکن باری تعالیٰ کے ارشاد کے آگے سرِ تسلیم خم ہے باپ اکلوتے جواں بیٹے کو ذبح کرنے چلا ہے۔ خوشنما فریب کا جال بچھانے والا اپنا ہر داؤ چلاتا ہے لیکن یہ دونوں باپ بیٹا اسے پائے استحقار سے ٹھکرا کر منزلِ کبریا کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ ارض و سمٰوات دنگ رہ جاتے ہیں اور خالق اکبر فرماتے ہیں اے ابراہیم آپ نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا یقیناً تو ہمارا خلیل ہے حضرت آدم کے

ایک فرزندِ جلیل حضرت موسیٰ نے شیطان کے عظیم پرستار فرعون کو دعوتِ حق دی وہ نہ مانا شیطان نے اُکسایا مقابلہ پر اتر آیا دریائے نیل کی طوفانی لہروں کا شکار بنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک عظیم المرتبت ابنِ آدم تھے شیطان نے حُسن کے سارے جال ان پر آزمائے لیکن آپ نے ان سب کو تار تار کر دیا اور نور کبریا کی طرف پرواز فرمائی تاریخ کے بے شمار ورق اُلٹ کر سرکارِ مدینہ کے مبارک دور تک آجایئے معلوم ہوتا ہے حق و باطل کا آخری معرکہ درپیش ہے، ابلیس جو کسی زمانے میں ایک جال پھینک کر مطلب حاصل کر چکا تھا اب اپنے ہر جال کو آزما رہا ہے ہر چیز اپنے داؤ پر لگا رہا ہے۔ حُسن کی تابناکی حکومت کی کشش، دولت کی چمک، عزیز و اقربا کی محبت، دُنیا کی ہوس غرضیکہ کوئی تیر اس کے ترکش میں نہ رہا جو آزمایا نہ گیا ہو لیکن حق کی تابانی بھی پورے عروج پر ہے جو کوئی اس سے ٹکراتا ہے پاش پاش ہو جاتا ہے عشق کی گرمی اتنی تیز ہے کہ جو کوئی اسے بجھانے کی کوشش کرتا ہے جل کر راکھ ہو جاتا ہے عشق کی تندی و تیزی کا یہ حال ہے کہ شیطان بڑے بڑے سورماؤں کو مقابلہ پر لاتا ہے لیکن خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں شیطان کی پے در پے شکستوں پر ابنِ آدم جھوم کر اس سے مخاطب ہوتا ہے ؎

جدائی شوق را روشن بصر کرد
جدائی شوق را جوئندہ تر کرد
نمیدانم کہ احوالِ تو چوں است
مرا ایں آب و گلِ از من خبر کرد (اقبال)

"اے شیطان تجھے اپنا مکر یاد ہے جس کی بدولت تو نے مجھے خالق سے جدا کرایا تھا لیکن اسی جدائی نے میری آنکھوں کو بصیرت دے دی اور اسی جدائی نے میرے عشق کو جوئندہ تر بنا دیا، مجھے نہیں معلوم کہ تیرا کیا حال ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اس کشمکش

کی بدولت اپنی پنہاں قوتوں سے آگاہ ہوگیا،،

اب ابلیس حیران و پریشان ہے اس کے سارے جال آزمائے جا چکے ہیں اور سب کے سب جمالِ مصطفوی کے نور سے تار تار ہو چکے ہیں عاشقانِ حق ابلیس کی یہ درماندگی اور لاچارگی دیکھتے ہیں فخر و تکبر سے تنی ہوئی گردن اب ٹوٹ چکی ہے۔ دائیں، بائیں، آگے پیچھے کے سب حملے پسپا کر دیئے گئے ہیں۔ خوشنما وعدوں اور امیدوں کا بھرم کھل چکا ہے ابلیس چاروں شانے چت کراہ رہا ہے اور عاشقانِ حق کا غلغلہ مستانہ فضا کو چیرتا ہوا مائلِ پرواز ہے۔

بیا باہم در آویزیم و رقصیم — زگیتی دل بر انگیزیم و رقصیم!
یکے اندر حریم کوچۂ دوست — زچشماں اشکِ خوں ریزیم و رقصیم!

ترجمہ:- آئیں باہم مل کر اور عشق کی مے سے سرشار ہو کر رقص کریں جہاں کو تہ و بالا کر کے رقص کریں کوچۂ دوست میں آنکھوں سے اشکِ خوں بہا کر رقص کریں،،

اللہ کے دیوانے امتحانِ عشق میں سرخرو ہوتے ہیں لیکن اسی مستی میں ابھی اور جام پینے کی تمنا رکھتے ہیں شیطان کو پٹا ہوا دیکھ کر بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں۔

فراغت دے اسے کارِ جہاں سے — کہ چھوٹے ہر نفس کے امتحاں سے
ہوا پیری سے شیطان کہنہ اندیش — گناہِ تازہ تر لائے کہاں سے

آپ غور فرماویں تو شیطان کی مکمل پسپائی اور شکستِ فاش کا اعلان قرآن کریم نے یوں فرمایا ہے!

"اور جب اللہ کی طرف سے نصرت اور فتح آئی تو آپ نے لوگوں کا اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتا دیکھ لیا،،

لہٰذا ثابت ہوا کہ اس ازلی دشمن کی شکست حرف اور حرف

تیغ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ہو سکتی ہے سرکار مدینہ ہی کی واحد فتراک ہے جس پر سر بناز خم کرنے سے اس بدترین لیکن قوی ترین دشمن کو پامال کیا جا سکتا ہے قرآن کریم ہی وہ نورِ بصیرت عطا فرماتا ہے جس سے اس چوکنے غنیم کے سارے جال نظر آنے لگتے ہیں، اسوۂ رسول ہی وہ راہِ مستقیم ہے جو اس مکار اور فریبی جھوٹے اور دغاباز سازشی کی پیش کردہ ٹیڑھی راہ سے ہٹا کر خالقِ حقیقی کی طرف رہنمائی فرماتا ہے، قصۂ آدم کی ابتدائی کڑی ہر انسان کی داستان ہے حضرت آدم کو مسجودِ ملائکہ بنا کر جنت میں بھیج دیا تو فرمایا اس درخت کے نیچے نہ جانا باقی جہاں سے جو کھاؤ پیو اور آرام و سکون سے زندگی بسر کرو۔ بنی آدم کو صحیح فطرت پر پیدا فرما کر قرآنِ کریم کی روشنی عطا فرما دی گئی کہ اس حدود میں رہ کر جو چاہو کرو لیکن شیطان کی راہ اختیار نہ کرنا ارشاد ہے:

"اے ابنِ آدم! دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح بہکا دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان کے لباس اتروائے تھے کہ ان کے ستر ان کو دکھا دے وہ اور اس کا گروہ تمہیں اسی طرح دیکھتا ہے کہ تم اُسے نہیں دیکھتے"

(سورۂ اعراف)

کشودم پردہ را از روئے تقدیر
مشو نومید و راہ مصطفیٰ گیر
اگر باور نہ داری آنچہ گفتم!
ز دیں بگریز و مرگِ کافرے میر

ترجمہ تقدیر کے چہرے کو میں بے نقاب کرتا ہوں وہ اس طرح کہ رحمتِ حق سے کبھی مایوس نہ ہو اور راہِ مصطفیٰ اختیار کرو۔

(سرخروئی و سربلندی تمہارے قدم چومے گی) اگر آپ کو میرے اس کہنے کا یقین نہ ہو تو بہتر ہے کہ دینِ اسلام کا لیبل اتار دو اور کافر کی موت مرو"
(اقبال)

بلاشبہ عقل و خرد اللہ کی بے بہا دولت ہے یہ وہ نور ہے جو چراغ راہ کا کام دیتی ہے لیکن کسی صورت بھی منزل نہیں ہو سکتی عقل کا ہر فیصلہ قطعی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس فرمایہ نے اپنے بے شمار فیصلے خود کئی دفعہ بدلے ہیں اور اب بھی روزانہ بدل رہی ہے۔ رب کریم کو پانا جب تک اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر نہ چلا جائے محال ہے بلکہ ناممکن ہے سرگذشت آدم سے جو واضح رہنمائی ہمیں ملتی ہے وہ یہی ہے کہ ابلیس نے حکمِ خداوندی سے انکار پر بجائے ندامت اور توبہ کے دلیل و حجت کا سہارا لیا لہٰذا تباہ ہوا۔ لیکن حضرت آدم نے اپنی غلطی کی دلیل اور جواز نہیں تراشا بلکہ صاف صاف عرض کر دیا کہ الٰہی مجھ غلطی ہو گئی ہے تو معاف فرما دے تو بڑا ہی معاف فرمانے والا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی غلطی بخش دی۔ یہ دل کی بات تھی اور اسی پر چلنا ابنِ آدم کے لیئے بہتر ہے۔

یہ اہم نکتہ بھی قابلِ فکر ہے کہ اگرچہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ مانا حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا اپنے کیئے پر نادم نہ ہوا بلکہ عقلی جواز ڈھونڈا اس کے باوجود اللہ کریم سے قیامت تک مہلت اور بنی آدم پر اثر انداز ہونے کی طاقت مانگی جو عطا فرما دی گئی اس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ وہ رب رحیم جو اپنے دشمن، باغی اور نافرمان کی التجاء کو رد نہیں فرماتا وہ اپنے بھٹکے ہوئے بندے کی عاجزانہ دُعا کو قبول کرنے کا کس قدر مشتاق ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے صحیح فرمایا تھا ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیئے
قطرے تھے جو میرے عرقِ انفعال کے

باب سوئم

حضرتِ اقبال علیہ الرحمۃ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

○

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آب گینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

(اقبالؒ)

○

حضرت اقبالؒ اور عشقِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم

دنیا میں کروڑوں، اربوں ایسے خوش نصیب گذرے اور موجود ہیں، جن کے دل عشقِ رسول سے سرشار تھے اور ہیں۔ لیکن ایک خاص بندے علامہ اقبال کے عشقِ رسول پر ہی کچھ کہنا محض اس وجہ سے ہے کہ قدرت نے یہ صدی آپ کے مقدر کر رکھی ہے، آپ کی زندگی میں کفر کا فتویٰ بھی لگا لیکن تقریباً ۴۲ سال آپ کی رحلت کو گذر چکے ہیں۔ اور وہ تپش تیز سے تیز تر ہو رہی ہے جس کے متعلق آپ نے دعا فرمائی تھی ؎

خدایا آرزو میری یہی ہے!
میرا نورِ بصیرت عام کر دے!

عشق ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو کسی کی معرفت کی آخری منزل ہے اور جہاں من و تو کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے ایک انسان کے تعلق کے مختلف مدارج ہیں کسی سے انسان کی صرف واقفیت ہوتی ہے میل ملاقات، نہیں ہوتی، کسی سے صرف علیک سلیک ہوتا ہے راہ و رسم نہیں ہوتی۔ کسی سے تعلق ہوتا ہے دل میں جگہ نہیں ہوتی، کسی کا احترام ہوتا ہے محبت نہیں ہوتی، کسی سے محبت ہوتی ہے جو اپنی جان سے بھی عزیز ہو جاتا ہے اور یہ محبت جب مختلف مراحل طے کرتی ہے تو عشق کی منزل میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے، جہاں سوائے محبوب کے ہر چیز ہیچ نظر آتی ہے۔ اور محبوب کی رضا حاصل کرنے کے لیئے مال و دولت، عزیز و اقارب

بیوی بچے، جان وطن تک قربان کر کے بھی انسان سمجھتا ہے کہ کچھ بھی، نہیں کیا۔ عشق کی اس بلند ترین منزل کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ سیدنا و مولٰنا حضرت امام حسین علیہ السلام نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ابھی تک صفحۂ ہستی پر نقش ہے ؎

غریب وسادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہائیت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

عشق کے تقاضے بھی مختلف ہیں اور اس کے زمانے بھی مختلف ہیں قرآن حکیم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام سے عشق بیان ہوا جن کی جدائی میں رو رو کر حضرت یعقوب کی بصارت بھی چلی گئی تھی اور جب یہ تمام درد بھری کہانی حضرت یوسف کو ان کے بھائی عرض کرتے ہیں تو حضرت یوسف اپنی قمیص دے کر فرماتے ہیں کہ اسے لے جاؤ اور ان کے چہرہ پر ڈال دو اُن کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی جب یہ قافلہ حضور کی قمیص لے کر مصر سے چلا تو عشق کنعان میں بے ساختہ پکار اٹھا اے دنیا والو اگر تم یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے عقل و حواس کھو بیٹھا ہوں تو یقین کرو آج مجھے میرے محبوب بیٹے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ لوگوں نے یہی کہا جس کا حضرت یعقوب کو ڈر تھا۔ لیکن جب حضرت یوسف کی قمیص آپ کے چہرے پر ڈالی گئی تو آپ کی آنکھیں روشن ہو گئیں حق یہ ہے کہ ؎

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت ایک قمیص کو چہرہ پر ڈالنے سے لوٹ آتی ہے اور قمیص ابھی دور ہی ہے مگر آپ اپنے محبوب کی خوشبو سونگھ لیتے ہیں۔ لیکن اُن سے طاقتور اعضائے انسانی رکھنے والے بھائی

حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہو کر بھی اُن کو نہیں پہچان سکتے عقل و خرد کے پجاری اس منزل کا نشان ساری عمر نہیں پا سکتے ؎

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

اس مختصر تمہید کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ علم فلسفہ کا پہاڑ (یاد رہے کہ فلسفہ کی بنیاد ہی شک پر ہے) اور مغربی علوم میں اپنے وقت کا چوٹی کا انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی شمشیر سے کتنا گھائل تھا کیونکہ ان کا بے تاب دِل اس عجیب و غریب منزل کے ہر مرحلہ پر رَبِّ زِدْنِیْ کی التجا ہی کرتا رہا ؎

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر!
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر!

عشقِ رسول کی چنگاری حضرتِ اقبال نے وِرثہ میں پائی تھی آپ اپنی ابتدائی عمر کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک سائل نے ہمارے گھر کے دروازے پر صدا دی، یہ اڑیل فقیر تھا بار بار کہنے کے باوجود دروازے سے ٹلنے کا نام نہ لیتا تھا اقبال کو غصہ آیا اور فقیر کو مارا اتنے میں آپ کے والد ماجد تشریف لے آئے فقیر کی بے بسی اور اقبال کی زیادتی پر دِل گرفتہ ہو کر بیٹے سے کہا: جانِ من ذرا تصور کرو قیامت کے دن کا جب میرے آقا و مولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میری پیشی ہوگی اور یہ گدائے دردمند تیری شکایت عرض کرے گا اور جب حضور مجھ سے جواب طلبی فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک مردِ مسلمان عطا فرمایا مگر تو اسے انسان کی عظمت سے آگاہ نہ کر سکا۔

اندکے اندیشں و یاد آر اے پسر!
اجتماعِ امتِ خیر البشر

۶۹

بازایں ریشِ سفیدِ من نگر
لرزۂ بیم و امیدِ من نگر
بر پدر ایں جورِ نازیبا مکن
پیشِ مولا بندہ را رُسوا مکن

ترجمہ :- اے بیٹے ذرا سوچ جب قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا اجتماع ہوگا اور میرا اس جواب طلبی پر سفید داڑھی کے ساتھ امید و خوف کی وجہ سے کانپنا دیکھ اے بیٹے اپنے باپ پر یہ ناروا ظلم نہ کر اور اسے اپنے مولا کے سامنے شرمندہ نہ کر"

اس تنبیہ کے بعد اپنے جوان اقبال کو نصیحت فرماتے ہیں

غنچہ از شاخسارِ مصطفیٰؐ
گُل شو از بادِ بہارِ مصطفیٰؐ
از بہارش رنگ و بُو باید گرفت
بہرہ از خُلقِ او باید گرفت
فطرتِ مُسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است
از قیامِ او اگر دور ایستی!
از میانِ محشرِ ما نیستی!

ترجمہ : اے جانِ پدر، تو حضور مصطفیٰؐ کی شاخ کا غنچہ ہے حضور کی بادِ بہاری کے فیض سے گلِ تمام بن جا۔ حضور کے اسوۂ حسنہ اور خلقِ عظیم سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے، مسلمان کی فطرت سراپا شفقت ہے، اور اس جہان میں اس کے ہاتھ اور ان کی زبان سراسر رحمت ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ اور خلقِ عظیم سے تو کماحقہ بہرہ ور نہیں تو پھر تجھے ہم سے کوئی نسبت

نہیں،،

اللہ والے والد کی نصیحت سعادت مند بیٹے کے دِل میں اتر گئی، جہاں چنگاری تو موجود تھی لیکن جس کی قسمت میں شعلہ جوالہ بننا مقسوم تھا حضرت علامہ جب پہلی دفعہ غالباً ۱۹۰۵ء میں لندن تشریف لے جاتے ہوئے سرزمین حجاز کے قریب سے گذرے تو اپنی کیفیت قلبی کا ایک خط میں یوں اظہار فرمایا:۔

"اے عرب کی مقدس سرزمین تجھ کو مبارک ہو تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب اور تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔ اے پاک سرزمین تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تاکہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرے تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقش قدم دیکھے ہیں۔ اور تیری کھجوروں نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازتِ آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔

کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیری ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے۔ اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پرواہ نہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں بلال کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی"۔

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیر یاب تُو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو

حضرت بلال کے اسی عشق نے ان کو وہ لازوال رتبہ عطا فرمایا جس کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے ؎

اقبال! کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے!

رومی سے مراد سکندر رومی ہے جس کو تاریخ نے سکندر اعظم کے نام سے یاد کیا ہے لیکن وہ آدھی دنیا کا فاتح اور بہادر جرنیل وہ مقام حاصل کرنے سے قاصر رہا، جو عشقِ رسول میں ڈوب کر حضرت بلال رضؓ نے حاصل کیا اسی عشق کے تیر سے گھائل ہو کر حضرت اقبالؒ نے فرمایا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب
تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

ناظرین غور فرمائیں حضرتِ اقبال جناب آقائے کل سے التجاء کر رہے ہیں

اور التجا اسی سے ہوتی ہے جو سن رہا ہو یہی اقبال کا عقیدہ تھا چنانچہ ایک خط میں اپنے ایک عزیز دوست نیاز الدین خاں صاحب کو تحریر فرماتے ہیں :۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبارک ہو اس زمانے میں یہ سعادت کی بات ہے قرآن شریف کثرت سے پڑھنا چاہیئے تاکہ قلب نسبتِ محمدی پیدا کرے، اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معنی بھی آتے ہوں خلوص اور محبت کے ساتھ محض قرأت کافی ہے میرا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے لیکن اس زمانہ میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہو گا اس واسطے خاموش رہتا ہوں"

لیکن اقبال خاموش نہیں رہے انہوں نے بے ساختہ اس کا اظہار فرمایا پس چہ باید کرد میں بیماری کی لاچارگی بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں عرض کرتے ہیں ؏

اے تو ما بے چارگاں را ساز و برگ

یعنی اے مولائے کریم آپ ہی ہم بے چاروں اور بے کسوں کی واحد آس اور امید ہیں" اے" ہمیشہ حاضر اور موجود کے لیئے کہا جاتا ہے اس کے بر عکس ہمارے اکثر علماء یارسول اللہ کی "یا" پر جھگڑتے رہتے ہیں اور نہیں جان سکتے کہ

"غریب تر ہے حیات و ممات کی دُنیا"

اسی قصیدہ کے چند اشعار اقبال کے عشق اور احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے میں مدد دیں گے :۔

ذکرِ تو سرمایۂ ذوق و سرور
قوم را دارد بہ فقر اندر غیور!
اے مقام و منزلِ ہر رہرو
جذبِ تو اندر دلِ ہر راہرو!

ترجمہ :- یارسول اللہ آپ ہی کا ذکر مبارک ہے جو ذوق اور سرور عطا فرماتا ہے اور اسی کی بدولت قوم دنیاوی مال و دولت اور جاہ و جلال سے بے نیاز ہوتی ہے"

یارسول اللہ آپ ہی ہر مسافر کی منزلِ اولین و آخرین ہیں۔ آپ کی محبت کی چنگاری ہر مسافر کے دل میں ایک بے بہا دولت ہے"

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی!
اے پناہِ من حریم کوئے تو
من بہ امیدے رمیدم سوئے تو
مہرِ تو بر عاصیاں افزوں تر است
در خطا بخشی چوں مہرِ مادر است
اے وجودِ تو جہاں را نوبہار
پرتوِ خود را دریغ از من مدار
مومنم از خویشتن کافرنیم!!
بر فسانم زن کہ بدگوہر نیم
جاں ز مہجوری بنالد در بدن!
نالہ من وائے من! اے وائے من

ترجمہ :- یارسول اللہ میرا ذکر بھی آپ، فکر بھی آپ، علم و عرفان بھی آپ، میری کشتی بھی آپ اور طوفان بھی آپ یعنی میرا جو کچھ بھی سرمایہ ہے وہ سب کچھ آپ کی خاکِ پا کا صدقہ ہے

اے آقا میری جائے پناہ بھی آپ ہی کی ذات اقدس ہے اور میں اسی امید پر آپ کی گلی میں دوڑتا آتا ہوں۔

اے میرے رؤف و رحیم تیری شفقت گناہگاروں پر بڑھ چڑھ کر ہے اور ایسے ناامیدوں کی خطائیں بخشنے میں آپ کی محبت ماں کی محبت و شفقت سے بھی زیادہ ہے۔

اے جانِ دو عالم آپ کا وجودِ اقدس ہی اس جہاں کی بہار ہے اور آپ اپنے جمالِ بے مثل کا جلوہ مجھ سے پوشیدہ نہ فرمایئے

یارسول اللہ! آپ کو علم ہے کہ میں مومن ہوں اور اپنے آپ سے منکر نہیں ہوں اس لئے ازراہِ کرم مجھے اپنی فساں پر چڑھایئے کیونکہ میں اہلیت سے خالی نہیں ہوں (اشارہ ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ)

اے ہر ایک کے غم خوار اور غمگسار رحمۃ للعالمین میری جان اپنی لاچارگی سے زار و قطار روتی ہے اور اس نالۂ درد کا سننے والا آپ کے بغیر کون ہے۔

جوابِ شکوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں فرماتے ہیں :-

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

قابلِ فکر بات یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کا ادب واحترام ہر لحظہ میں قائم رکھتا ہے، مشہور ہے کہ مجنوں (قیس) وارفتگی کے عالم میں ایک کتے کے پاؤں چاٹ رہا تھا کسی نے پوچھا مجنوں یہ کیا حرکت ہے ایک نجس مخلوق کے پاؤں کو کیوں چاٹتے ہو اس پر اس دِل جلے نے جواب دیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ کتا لیلیٰ کی گلی سے گذر کے آیا ہے اس لئے مجھے محبوب ہے اسی لئے حضرت اقبال فرماتے ہیں ؏

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں سے

اور قرآن کا حکم ہے :-

"بے شک ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری سنانے والا اور نذیر بنا کر بھیجا اس لئے اے لوگو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی مدد، تعظیم اور توقیر کرو" (الفتح)

معلوم نہیں جب گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ہر انسان کیطرح انسان تھے آپ کو غائب کا علم نہیں تھا، یارسول اللہ کہنے میں شرک ہے وغیرہ وغیرہ تو عزت وتوقیر کی کونسی رسم ادا ہو رہی ہوتی ہے ان لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ محبوب کی ہمیشہ صفت بیان کی جاتی ہے اگر خدانخواستہ کوئی دوسرا کسی کے محبوب کا کوئی عیب بیان کرے تو دِل چاہتا ہے کہ اسے کچا چبا جاؤں لیکن حیف ہے ان مسلمانوں پر جو کفار کے طعنوں کو اپنے علم کی معراج سمجھے بیٹھے ہیں۔

"وہ لوگ جو نبی پر ایمان لائے ان کا ساتھ مع التعظیم دیا اور اس نور کی اطاعت کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔" (الاعراف)

افسوس کہ ؂

عصرِ ما مارا ز ما بیگانہ کرد!
از جمالِ مصطفیٰ بیگانہ کرد!

ترجمہ: ہمارے دور نے ہم کو اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا اس لئے کہ ہمیں جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے بیگانہ کر دیا۔"

اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّل و آخر، قرآن و فرقان یٰسین و طٰہٰ سمجھتے ہوئے یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ جو کوئی حضور کے عشق کا شکار ہو کر حضور کی فتراک سے وابستہ ہو گیا دونوں جہاں کی دولت ان کے قدموں میں ہو گی۔

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را

وُہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا!

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

غور فرمائیں ان صفات پر جن کا ذکر حضرت اقبال کی خوش نصیبی کی بیّن دلیل ہے یعنی دانائے سبل تمام راستوں کا پوری طرح پوری تفصیل اور گہرائی سے جاننے والا۔

ختم الرسل رسولوں کے سلسلہ کی آخری کڑی یا یوں سمجھیئے کہ قصرِ رسالت کی تکمیل، تمام انبیاء و مرسلین کو عطا ہونے والی ہر رحمت اور کمال کا مجسمہ مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کا آقا و مولیٰ کُل میں جو مخلوق تصور میں آسکے وُہ شامل ہے۔ سرورِ دو جہاں، سرورِ کونین، شاہِ ہر دو عالم اسی ایک

مصرعہ کے تین لفظوں میں حضرت اقبال نے کائنات ممکنہ کا احاطہ کر دیا ہے آگے فرمایا کہ حضور کے فیض کرم کا کیا ٹھکانہ آپ نے غبارِ راہ کو وادیٔ سینا کا ہمدوش بنا۔ وادیٔ سینا وہ مقدس وادی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی التجا پر اللہ تعالیٰ کی تجلی سے بقعۂ نور بنی تھی، اگلے شعر میں حضرت علامہ عشق کی منزل کی آخری سیڑھی سے اعلان فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو سچی بات یہ ہے کہ ہمارے نبی اوّل روز سے ہیں روز قیامت تک ان کی ہی عظمت وجلال کے پرچم لہراتے رہیں گے وہی مجسم قرآن ہیں، وہی حق و باطل کے فیصلہ فرمانیوالے وہی سردار دو عالم اور وہی ظٰہٰ ہیں ؎

جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اس کا!
وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد

عشقِ رسول کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں فرماتے ہیں :-

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ ساماں اوست
بحر و بر در گوشۂ داماں اوست

زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست
برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست

جلوۂ بے پردۂ او وا نمود
جوہر پنہاں کہ بود اندر وجود

رُوح را جز عشقِ او آرام نیست
عشقِ او روز لیست کو را شام نیست

ترجمہ :- جس کسی کو بھی عشقِ مصطفیٰ عطا ہوا یہ کائنات اس کے گوشۂ داماں کی وسعت سے زیادہ نہیں رہے گی جان لیں کہ ملت کی زندگی حضور کے عشق سے ہی وابستہ ہے اور حضور ہی کا فیضِ عشق ہے کہ تمام کائنات کو حسن و جمال عطا ہوا ہے حضور ہی نے ان سربستہ رازوں کو آشکار کیا جن پر ابھی تک پردہ پڑا تھا یہ بھی جان لیں کہ انسان کی روح کو حضور کے عشق کے بغیر قرار نصیب نہیں ہو سکتا اور حضور کی عشق کی تابانی و تابناکی کو کبھی زوال نہیں،،

حضرت علامہ کے ان بصیرت افروز اشعار کو لکھ رہا تھا کہ متعا ذہن یا با

گورونانک کی ایک رباعی کی طرف چلا گیا جس میں بعینہٖ مندرجہ بالا مضمون علمِ ریاضی سے ثابت کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے :-

نام لو جس اچھر کا۔ چو گن کر یو سار
دو ملا۔ سو پنچ گن کر یو بیس دیو اُڑا!
جو بچے سو نو گن کر یو دو دیو ملا!!
حاصل بچے نانکا، نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنا!

حضور کے اسمِ گرامی محمد کے حروفِ ابجد ۹۲ بنتے ہیں (۴۰ + ۸ + ۴۰ + ۴)
بابا نانک فرماتے ہیں کہ دنیا کی کسی چیز کا نام لو اور اس کے حروفِ ابجد نکالو فرض کرو ہمارے پیش کردہ کسی چیز کے نام کے حروفِ ابجد ۱۵ آتے ہیں اب بابا فرماتے ہیں اسے چار سے ضرب دو حاصل ضرب آئے گا ۶۰ اس میں دو جمع کر کے پانچ سے ضرب دو اور پھر حاصل ضرب کو ۲۰ پر تقسیم کر دو نتیجہ ہوگا ۶۲ پھر ۳۱۰ اور ۲۰ پر تقسیم کرنے کے بعد باقی ۱۰ بچے گا اب اسے ۹ سے ضرب دے کر دو جمع کر دو تو جواب ہوگا ۹۲ یعنی حضور سرورِ عالم کے اسمِ گرامی کے حروفِ ابجد بابا نے بھی ثابت کیا ہے کہ۔ ؎

"ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے۔"

لیکن ہمارے علماء ابھی تک موت و حیات کے چکر میں سرگرداں ہیں ان کو عرض کرنی چاہیئے کہ ؎

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

عقل کا دامن روزِ ازل سے ہی ابلیس نے تھاما تھا حضرت آدم کی شان بحث و تمحیث نہیں عجز و انکساری تھی۔ عقل کا پجاری بھی علامہ اقبال کے نزدیک اپنی منزل سے کوسوں دُور ہے فرماتے ہیں ؎

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے!

جو عقل کا غلام ہو وُہ دل نہ کر قبول!

حضور کے معراج پر مکمل یقین سے فرماتے ہیں اور کیا نکتہ تعلیم فرماتے ہیں ؎

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید

ربِ زدنی از زبانِ او چکید

ترجمہ: اگرچہ معرفت کی انتہائی بلندی تک پرواز کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بے پردہ دیکھا پھر بھی زبانِ اقدس سے رب زدنی علما (اے اللہ میرے علم کو زیادہ فرما) کی دعا نکلتی رہی"

عجز و انکساری پر ایک جگہ فرمایا ؎

پیشِ او گیتی جبیں فرسودہ است!

خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

ترجمہ: اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں تمام عالم کی طاقتوں نے سجدہ ریزی کی ہے پھر بھی حضور نے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ ہی فرمایا"

اسی طرح شق القمر کے معجزہ کو اپنے مخصوص انداز میں بیان فرماتے ہیں ؎

پنجۂ او پنجۂ حق مے شود!

ماہ از انگشتِ او شق مے شود

ترجمہ: جب حضور کے دستِ مبارک کو باری تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا تو ان کی انگلی کے اشارے سے چاند کے شق ہونے میں کیا تعجب رہ جاتا ہے"

حضرت اقبال جب افغانستان سے واپسی پر قندھار میں حضور کے خرقہ مبارک کی زیارت سے مستفیض ہوئے تو عشق میں ڈوب کر فرمایا

رقصد اندر سینہ از زورِ جنوں!

تا ز راہِ دیدہ مے آید بروں!

آمد از پیراہن او بوئے اُو
داد مارا نعرۂ اللہ ہُو!

ترجمہ: میرا دِل عشق کے زورِ جنوں سے سرمست ہو کر میرے سینہ میں رقصاں ہے اور بے تاب ہے کہ آنکھوں کی راہ سے نکل کر حضور کے خرقۂ مبارک پر قربان ہو جائے وُہ پیراہن جس سے حضور کی خوشبو آرہی ہے وُہ ذاتِ اقدس جنہوں نے ہم کو اللہ تعالیٰ سے روشناس فرمایا۔"

حضرت علامہ کا ایک منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:۔

سر جھکا کر مانگ لے عشقِ نبی اللہ سے
جذبۂ سیف الہیٰ زورِ علی اللہ سے

عشق ختم الانبیاءؐ تیرا اگر سامان ہے
زندگی کا ہر سفر تیرے لئے آسان ہے

تو صبا کی طرح کر سکتا ہے گلشن سے سفر
تازہ کر سکتا ہے پھر آئینِ صدیق و عمر

ہاتھ میں لے کر یہ خنجر اور سپر قرآن کی
تو اگر چاہے بدل دے زندگی انسان کی

اے جوانِ پاک اٹھ گردش میں لا پھر جام کو
عام کر دے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے پیغام کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر فرمایا:۔

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شانِ جمالیم

دو حرفے بر مُرادِ دِل بگوئیم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

یعنی اے میرے ہم نفس آ، ہم مل کر گریہ وزاری کریں کیونکہ ہم دونوں حضور کے حسن وجمال کے شکار ہیں آ ہم مل بیٹھ کر تنہائی میں دل کی باتیں کریں اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک پر اپنی آنکھوں کو ملیں۔

تب وتاب دل از سوزِ غمِ تست — نوائے من ز تاثیرِ دمِ تست
بنالم زانکہ اندر کشورِ ہند — ندیدم بندۂ کو محرمِ تست

"یارسول اللہ! میرے دل کی بے تابی اور بے قراری حضور کے سوزِ غم ہی کی بدولت ہے اور میری فریاد حضور ہی کی نظر کی تاثیر ہے میں یہ نالہ و فریاد اس لئے کرتا ہوں کہ ہندوستان میں حضور کا کوئی محرم نہیں پاتا"

پھر فرمایا ؎

حضورِ تو غمِ یاراں بگویم — بامیدے کہ وقتِ دل نوازی است

نہ جانے یہ کس وقت کی فریاد تھی جس کے حسین لمحات کو حضرت اقبال نے یوں جاودانی بخشی ہے فرماتے ہیں یارسول اللہ! مجھے یہ جرأت کہاں کہ کچھ عرض کروں اس وقت آپ کی دل نوازی کا جلوہ پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے اس لئے یہ غلام اپنے احباب کا غم حضور والا کی بارگاہ عالی میں عرض کر رہا ہے"۔

ننالم از کسے مے نالم از خویش
کہ ماشایانِ شانِ تو نبودیم!

یارسول اللہ! میں کسی غیر کے لئے فریادی نہیں ہوں بلکہ اپنے لئے نالہ کناں ہوں اور شرمندہ ہوں کہ ہم آپ کے شایانِ شان نہ تھے"

حضرت اقبال کا پختہ عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہر نیک و بد سے واقف ہیں اس لئے آپ کا کلام ادب و احترام کا آئینہ ہے اقبال کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ دربارِ رسول میں اسی طرح عرض کرتے ہیں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے جلوہ افروز ہوں اور کوئی سوالی ہاتھ باندھے روئیداد رو رو کر سنا رہا ہو اور مدد کی التجا کر رہا ہو کم نظر لوگوں نے حضرت اقبال کے عشقِ رسول کا اندازہ نہ لگایا اور آپ کو شاعر جانا حضرت علامہ کو صدمہ ہوا تو فریاد کی

من اے میرِ امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزلخوانے شمردند

اے امت کے سردار میں جناب سے انصاف کے لئے التجا کرتا ہوں۔
میرے احباب نے مجھ پر اتنا ظلم کیا کہ مجھے بھی شاعر ہی سمجھا آگے اپنا استغاثہ
عرض کرتے ہیں:

نہ شعر است ایں کہ بروے دل نہادم
گرہ از رشتۂ معنی کشادم
بامیدے کہ اکسیرے زند عشق!
مس ایں مفلساں را تاب دادم

"عالیجا! یہ شعر نہیں ہے جس پر میں دل بستہ ہوں بلکہ میں تو پوشیدہ رموز کی
گرہ کھول رہا ہوں ان مفلس ساتھیوں کی خاکِ مُردہ کو اس امید پر تپش
دے رہا ہوں کہ عشق ان کو اکسیر بنا دے"

بکوئے تو گداز یک نوا بس
مرا ایں ابتداء ایں انتہاء بس
خراب جرأتِ آں رند پاکم
خدا را گفت ما را مصطفٰے بس

یا رسول اللہ آپ کی گلی میں ایک صدائے درد کافی ہے اور میرے لئے
یہی میری معراج ہے میں آپ کے اس عاشق زار، پاکباز، جانباز
پرنثار جس نے اپنے اللہ سے کہا تھا ؎

"کہ صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس"

حضرت علامہ کو عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا والہانہ عشق تھا کہ
اس کا احاطہ مشکل ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شان میں اتنی خوبصورت نظم
لکھی کہ دل گرما دیتی ہے فرماتے ہیں:

چمک اُٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اُٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے تیرے غمکدے کی آبادی
تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا! | اویس طاقتِ دیدار کو ترستا تھا
تیری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید | خنک دلے کہ تپید و دمے نیا سائید
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری | کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
خوشا وُہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا | خوشا وُہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

ایک آرزو ملاحظہ ہو ؎

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے اے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبارِ راہ حجاز کرے!

فیضِ رسالت کا اعتراف ملاحظہ ہو ؎

ضو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

عشق و محبت کے اویس تیر کو یاد فرماتے ہیں ؎

یک نظر کردی و آدابِ فنا آموختی!
اے خنک روزے کہ خاشاکِ مرا واسوختی

یا

تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دِل کا وُہ زمانہ
وُہ ادب گہِ محبت وہ نگاہ کا تازیانہ!

لیکن یہ جلوۂ حسن ہر ایک کی قسمت میں کہاں ہے یہ ان خوش نصیبوں کا مقدر ہے جن کے دِل حضور کے ادب و احترام میں لرزاں رہتے ہیں اور جب اس جلوہ کی تابانی ہوتی ہے تو بشریت کی ساری کڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
اتنی نادانی جہاں کے سارے داناؤں میں تھی

مدینہ منورہ کی شان میں فرماتے ہیں:۔

وُہ زمیں ہے تُو مگر اے خوابگاہِ مصطفیٰ

دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا

خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں!

اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمین!

تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی!

جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی!

نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے

جانشین قیصر کے وارث مسندِ جم کے ہوئے

جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہے

حضرت اقبال اگرچہ عقل کی عظمت و انادیت سے منکر نہیں لیکن وُہ اسے چراغِ راہ فرماتے ہیں اور قرآن حکیم کے اِس ارشادِ گرامی کو کبھی بھی اوجھل نہیں ہونے دیتے کہ بدبخت انسانوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں دِل اندھے ہوتے ہیں، دِل کا تعلق عشق سے ہے اور علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی یہی معراج ہے فرماتے ہیں:-

گرچہ تو زندانیٔ اسباب ہے

قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں!

عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

اے مسلمان ہر گھڑی پیشِ نظر

آیۂ لایخلف المیعاد رکھ

یہ لسان العصر کا پیغام ہے

اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ یاد رکھ

میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ اقبال علیہ الرحمۃ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لامحدود وسعت کو سمیٹ کر ہدیۂ ناظرین کر سکوں جو کچھ بھی عرض کیا ہے وُہ بحرِ زخار سے چند قطرے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ محترم قارئین پر موجودہ صدی کے اس عظیم انسان، مردِ مومن اور درویشِ خدا مست، عاشقِ رسول کا یہ عقیدہ بخوبی عیاں ہو چکا ہو گا کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کسی کو ذرا سی بھی محبت اور تعلق خاطر ہے وہ اس معزز و محترم ہستی کے نزدیک قابلِ صد احترام اور باعثِ رشک ہے اور حضور کے عشق کے بغیر کسی بھی عمل سے نجات ممکن نہیں حضور کی اطاعت میں سعادتِ دارین حاصل ہوتی ہے دُنیا و آخرت کی ہر کامیابی و کامرانی آقائے مدینہ کی ہی نظرِ رحمت سے عطا ہوتی ہے۔

حضرت علامہ کی ایک رباعی عرض کر کے اور اپنے عجز و انکسار کا اعتراف کر کے اِس لاجواب دُعا پر آمین کہتا ہوں فرماتے ہیں

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر!
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی نا گزیر!!!
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

اے باری تعالیٰ، اے مالک و مختارِ کُل، اے رحیم و کریم تو دو جہانوں سے غنی ہے۔ تجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، تو خود بادشاہ ہے لیکن میں فقیر ہوں محتاج ہوں، تیرے رحم و کرم کا سوالی ہوں، تو جانتا ہے کہ میں گنہگار ہوں خطا کار ہوں لیکن میری ان خطاؤں کے کچھ عذر اور کمزوریاں بھی ہیں اگر تو اپنے فضل و احسان سے میرے ان عذروں کو مان کر مجھے بخش دے تو تیری بندہ نوازی، لیکن اگر بفرضِ محال میں اس رحمت اور مغفرت کا کسی صورت بھی مستحق نہیں اور میرا حساب ہی لینا مقصود ہے تو اے میرے مولا کریم

جس طرح چاہے میری کھال ادھیڑ لے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا امتحان لے کر مجھے میرے گناہوں پر شرمندہ نہ فرما۔

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ اس رباعی میں عاجزانہ دعا کی کیا قدر و قیمت ہے اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اپنے آپ کو غنی فرمایا اور انسانوں کو فقراء حضرت علامہ نے قرآنِ مجید کے اس اعجاز بیان سے رب کریم کی رحمت کو پکارا ہے۔ علمائے امت متفق ہیں کہ حضور کی امت کا حساب سردارِ دو جہاں کی موجودگی میں لیا جائے گا اس لیے حضرت علامہ نے "از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر" عرض کر کے اپنی بخشش کا سامان کر لیا ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

باب چہارم

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(اقبالؒ)

اِسلام سے پیشتر ——————

فضیلت اصحابِ رُسول ——————

دُنیا میں نصرت الٰہی ——————

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام سے پیشتر مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کا مطالعہ کرنے سے پہلے ان نفوسِ قدسیہ کے مقاماتِ بلند پر ایک طائرانہ نگاہ اس بارگاہ عالی کی عظمت و بلندی کا اندازہ لگانے میں ممد و معاون ہو گی جس سے انہوں نے تربیت پائی پیشتر اس کے کہ ہم دیکھیں وہ کیا بنے یہ دیکھ لینا مناسب ہو گا کہ حضور کے حلقۂ غلامی میں آنے سے پہلے وہ کیا تھے ارشادِ ربانی ہے :-

"اے ایمان والو ڈرو اللہ سے جیسے چاہیئے ڈرنا اور نہ مرنا مگر مسلمان اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے ہم نے تمہارے دلوں کو محبت سے بھر دیا اور اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے پھر تم کو اس سے نجات دی۔"

(سورۂ آلِ عمران)

قرآن حکیم نے "آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے" کے فصیح و بلیغ فقرہ میں وہ سب کچھ کہہ دیا جس کے بیان کے واسطے ایک مؤرخ کو پوری کتاب لکھنی پڑتی تاریخ کا طالب علم عربوں کے اس ننگِ انسانی دور سے بخوبی آگاہ ہے جب خونِ انسانی کی ارزانی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ غیر تو غیر تھے ایک شقی القلب باپ اپنی لختِ جگر (دختر) کو زندہ درگور کر دیتا تھا عقل نے جوازیہ تلاش کیا تھا کہ خسر بننے میں سبکی ہے واہ رے انسان جب تیری عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں دل اندھے ہو جاتے ہیں جب تو اللہ کی راہ سے ہٹتا ہے

تو کتے کی مثل ہو جاتا ہے جو بغیر کسی لحاظ کے ہر گوشت کھا جاتا ہے وُہ پاکیزہ رشتہ جس نے حضرت انسان کے جدِ امجد کی تنہائی دور کی تھی اور جس کی بدولت ایسے بدکردار مرد پیدا ہوئے تھے آج اسی شاخ کو کاٹ رہے تھے جس پر خود ان کا آشیانہ تھا اور ان کی ظلم و تعدی کی آگ کو بے شمار معصوم بچیوں کی آہ و بکا ٹھنڈا نہ کر سکی تاکہ انسانیت کی پیشانی سے یہ مکروہ داغ دُھل سکتا یہی نہیں بلکہ احساس زیاں تک نہ تھا اور یہ مکروہ فعل شرفِ انسانی قرار پایا قبائل میں عورت کی عزت و ناموس جس طرح پامال تھی اس کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے حد ہے نسل انسانی کی گود میں بھیڑیئے پل رہے تھے اور اسی گود کو چیرنے پھاڑنے پر تیار تھے جس میں انہوں نے آرام و سکون پایا تھا وہی خون بہا رہے تھے جو کبھی ان کی خوراک تھا۔

قبائل کی خانہ جنگی کا یہ حال تھا کہ قبیلہ قبیلے کا دشمن تھا صدیوں تک تلواریں انسانی گردنوں کو کاٹ کاٹ کر کند ہو چکی تھیں لیکن حضرتِ انسان کے دِل سے دیرینہ عداوت کی آگ ٹھنڈی نہ ہو سکی تھی ہزاروں بیواؤں اور یتیموں کے آنسو اس آگ کو نہ بجھا سکے جو ایک چھوٹی سی اَن نے جلا رکھی تھی آبادیاں ویران ہو رہی تھیں اور ان کو ویران کرنے والے مسرت و شادمانی کے نشے میں سرشار لال پری کے جام انڈیل رہے تھے معصوم عصمتیں لٹ رہی تھیں لیکن لُٹیرے اور ڈاکو قہقہوں اور نغموں سے آسمان سر پر اُٹھا رہے تھے جو بدنصیب جان ان ظالموں کی تلوار کا نشانہ بننے سے بچ جاتی وہ ساری زندگی ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی رہتی انسانیت کے بلند مقام سے گر کر وہ غلامی کی زنجیروں میں پھنس جاتی اور حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کی مستحق ٹھہرائی جاتی ان کی چیخ و پکار صدا بصحرا ثابت ہوتی اور جور و جفا کی کوئی لاٹھی ایسی نہ رہتی جو ان پر توڑی نہ جاتی بے رحم انسان مظلوم انسان کے پرخچے اڑاتا اس کے ناتواں جسم سے خون کے فوارے چھوٹتے نالہ و بُکا کی چیخیں بلند ہوتیں بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر جان نکل جاتی لیکن انسان کا بے رحم دِل ٹس سے مس نہ ہوتا بلکہ خونین ڈرامہ کو خود سٹیج کرتا تھا۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ قبائلِ عرب ان تمام برائیوں کا شکار تھے جو

معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں مذہب کا جائزہ لیں تو انسان سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ وہ خانہ خدا جو حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مبارک ہاتھوں نے تعمیر فرمایا تھا اب ۳۶۰ بتوں کا مسکن تھا مخلوق خدا جھوٹے معبودوں کے آگے سجدہ ریز تھی لیکن حقیقی معبود کا نام تک یاد نہ تھا خود ساختہ باطل عقیدوں نے نوعِ انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا کوئی در ایسا نہ تھا جس پر انسان ناصیہ فرسائی نہ کرتا ہو سوائے ایک در کے جو خالق مطلق کا تھا شرم و حیا اس حد تک مٹ چکی تھی کہ خانہ خدا کا طواف ننگے ہو کر مرد و زن اکٹھے کرتے تھے المختصر شیطان نے میدان مار لیا تھا اور زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جہاں اس کی فرمانروائی نہ ہو طاغوتی طاقتیں محوِ رقص تھیں اور زمین کفر و ضلالت کے اس طوفان بدتمیزی سے تنگ آ کر چلا اٹھی -

آہ! یہ مرگ دوام، آہ! یہ رزم حیات
ختم بھی ہوگی کبھی کشمکش کائنات
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات!
عارف و عامی تمام بندۂ لات و منات
خوار ہوا کس قدر آدمِ یزداں صفات
قلب و نظر پر گراں ایسے جہاں کا ثبات
کیوں نہیں ہوتی سحر حضرتِ انساں کی رات (اقبال)

رحمتِ حق نے جوش مارا اور تاجدارِ رسالت حضرت خلیل اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا وہ عظیم المرتبت ذات جن کے واسطے کائنات کا ذرہ ذرہ صدیوں سے چشم براہ تھا سید الانبیاء جن کی بعثت کے لئے ہزاروں نبیوں نے مژدہ سنایا تھا دنیا میں تشریف لائے اور چشم فلک نے دیکھا کہ حضور کی غلامی نے چند سالوں میں گناہوں کی اس بستی کو مالکِ حقیقی کا پروانہ بنا دیا ذلت و پستی میں ڈوبی ہوئی قوم کو اوجِ ثریا تک پہنچا دیا آگ کے گڑھے سے ہٹا کر منزلِ کبریا تک اڑا کر لے گئے گم کردہ راہ انسانوں کو نوعِ انسانی کا معلم بنا دیا ہوا و نفس کے بندوں کا تزکیہ قلوب فرما کر استغنیٰ کی

دولت سے مالا مال فرما دیا موت سے خوفزدہ قوم کو موت سے پنجہ آزمائی کی قوت عطا فرما دی بت پرستوں نے ہر بت کو توڑا باطل کے پرستاروں نے جب حق پرستی اختیار کی تو ماہ و انجم پر کمندیں ڈالنے لگے اگر آپ تاریخ کا مطالعہ فرما دیں تو اتنا عظیم انقلاب آج تک دیکھنے میں نہیں آیا جو سرکارِ مدینہ لائے تھے یہ وہ عظیم الشان انقلاب تھا جس سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں کی دنیا بدل گئی یہ جسمانی انقلاب جو کسی طاقت سے مرعوب ہوتا ہے نہ تھا بلکہ قلبی انقلاب تھا جس پر انسان پروانہ وار نثار ہوتا ہے آپ اس بے مثال معجزہ کا اندازہ لگانا چاہیں تو آپ غور فرما دیں کہ ایک انسان کو راہ راست پر لانا کتنا مشکل ہے چہ جائیکہ ایک قوم کو ایک شرابی شراب نہیں چھوڑتا، چور چوری سے باز نہیں آتا، حد یہ ہے کہ حاسد بے لذت گناہ سے باز نہیں آتا لیکن یہاں پوری کی پوری قوم چند سالوں میں ان تمام گناہوں کو نہ صرف چھوڑ دیتی ہے بلکہ ان سے نفرت کرتی ہے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے جان و مال کی قربانی پیش کرتی ہے قرآنِ حکیم کے الفاظ میں مُردہ قوم کو زندگی عطا فرما دی سورۂ انفال میں ارشاد ہے ۔

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا جواب دو جب وہ پکارتے ہیں تاکہ تمہیں زندہ کر دے"

حضرت علامہ اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید

وز رسالت در تنِ ما جاں دمید

ترجمہ "حق تعالیٰ نے ہمارا سراپا پیدا فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سراپا میں جان ڈال دی"

فضیلت اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان خوش نصیب، پاک و مقدس ہستیوں کی قرآن کریم

نے کیا تعریف فرمائی ہے جنہوں نے بارگاہِ رسالت کی غلامی اختیار فرمائی۔
ناظرین اب عشق و مستی کے ان پروانوں کی پرواز کا اندازہ لگانے والے ہیں جن پر کائنات کو ناز ہے، جن پر نوریوں کو رشک ہے اور آسمان کے ستارے جن کی گردِ راہ ہیں جن کے دشت میں حضرت جبریل ایک صیدِ زبوں ہے اور یزداں بکمند آور جن کا نعرہ مستانہ ہے۔
یہ وہ مقام ہے جس کی بلندیوں کا اندازہ لگانا عقل سے ماورا ہے عقل کی بساط ہی کیا ہے جو خود اپنی حقیقت سے آگاہ نہ ہو وہ اپنے خالق کی وسعتوں اور قدرتوں کا کیا اندازہ لگا سکے گی لیکن افسوس یہی ہے کہ آج کل کی مادی دنیا میں ہر چیز کی کسوٹی یہی عقل ہے اور یہ ظالم ایسے ایسے فتوے دیتی ہے کہ چشم بصیرت خون کے آنسو روتی ہے حق تو یہ ہے کہ ؎

بہتر ہے یہ کہ دل کی رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے!

آپ غور فرمائیں آج کا سائنس دان ہمیں مہینوں کا سفر گھنٹوں میں کرا دیتا ہے ہزار ہا میل سے کہی ہوئی بات ایک لمحہ میں ریڈیو پر سنا دیتا ہے یہی نہیں بلکہ ٹیلیویژن پر ہزار ہا میل دور کھڑا ہوا آدمی بھی دکھا دیتا ہے کیا یہ سب باتیں آج سے چند سال پیشتر انسان کی عقل مان سکتی تھی ہرگز نہیں بلکہ ایسا کہنے والے کو لوگ پاگل کہتے لیکن وقت کی رفتار نے ثابت کر دیا کہ انسان کی تگ و تاز اب یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہے کہ ہم نے چاند پر جھنڈا گاڑ دیا ہے نہ صرف یہ بلکہ چاند پر مقیم انسان کی دل کی دھڑکن اور نبض زمین پر موجود انسان دیکھتے اور اندازہ لگاتے ہیں سائنس کی طاقت و قوت کا اندازہ لگا کر ہم یقین کر لیتے ہیں کیونکہ ہمیں سائنس کی صلاحیتوں پر اعتبار ہے سوال یہ ہے کہ اگر ایک انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل سے کام لے کر فاصلے محدود کر سکتا ہے کائنات کی ہر شے پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے منصوبے بنا سکتا ہے جو کل ناممکن تھا آج اسے ممکن بنا سکتا ہے تو وہ کیا وجہ

ہے جس کے تحت ہم قادر مطلق کی قدرتوں میں شک کرتے ہیں اور اسے عقل کی معیار پر لانا ضروری سمجھتے ہیں وہی عقل جس کا کل فیصلہ کچھ اور تھا اور آج کچھ اور ہے اور نہ جانے کل کیا ہو۔ قادرِ مطلق کی طاقتوں کا یہ حال ہے کہ انسان بایں ہمہ دعویٰ ہمہ دانی پانی کی ایک بوند پیدا نہ کر سکا لیکن اللہ نے بے حساب پانی پیدا فرمایا انسان گھاس کا ایک تنکا پیدا نہیں کر سکتا ہوا کا ایک جھونکا اس کے بس میں نہیں کہ پیدا کر سکے مٹی کا ایک ذرہ بڑے سے بڑا سائنسدان پیدا کرنے سے قطعی قاصر ہے پتھر کا ایک معمولی ٹکڑا تمام روئے زمین کے سائنسدان پیدا نہیں کر سکتے، مچھر کا ایک حقیر پر کسی کے بس میں نہیں کہ پیدا کر سکے جب حال یہ ہو تو کیا یہ ظلم عظیم نہیں کہ ہم انسان کی بات تو مان لیں اور جب اللہ کوئی بات کہے تو ہم چلا اٹھیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کیا یہ اللہ سے انکار نہیں کیا یہ بت پندار کی پرستش نہیں اس کو ان اللہ علےٰ کل شی قدیر سے پاش پاش کر دیجئے اور یقین کیجئے کہ ان اللہ یفعل ما یرید (اللہ جو چاہے کرتا ہے) اگر کسی کو بلند مقام عطا کرتا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اس میں میم میخ نکالنے والے

حدیثِ دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ (اقبال)

ارشاد ربانی ہے :

"اور ہر ایک درجات ہیں اپنے عمل کے لحاظ سے اور آپ کا رب کسی کے عمل سے غافل نہیں" (سورۂ نساء)

اس لحاظ سے امتِ مسلمہ میں بلند ترین مقام کن کا ہوا سورۂ توبہ میں ارشاد ہے :-

"مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے خوشنود ہوا اور وہ اللہ سے

خوشنود ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے باغ (جنت) تیار کر دیئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی"

سابقون الاولون یعنی مکہ کے حق پرست جنہوں نے دعوتِ حق کی قبولیت میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے اور انصار میں مدینہ کے وُہ حق پرست جنہوں نے عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں بیعت کا ہاتھ بڑھایا وُہ لوگ جو ان کے قدم بہ قدم چلے اور گو بعد میں ایمان لائے لیکن ان کا شمار پہلوں میں ہی ہے چونکہ بعد کو ایمان لانے والوں میں بعض منافق اور کچے دِل کے آدمی بھی تھے اس لئے ان کے ساتھ باحسان کی قید لگا دی یعنی وہ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔

دنیا میں جب کبھی سچائی کا ظہور ہوا ہے تو اس کا پہلا عہد ہمیشہ غربت و بے کسی کا عہد رہا ہے اور ان تمام دنیوی ترغیبوں سے خالی رہا ہے جو کسی انسان کے دِل کو مائل کر سکتی ہے اس پر مزید حوصلہ شکن اس وقت کے صاحب حیثیت اور اُمراء کے وہ طعنے ہوتے ہیں جو ہمیشہ ہر نبی کے اوّلین پیروکاروں کو دیتے رہے ہیں کہ یہ کیسا دین ہے جس کو غریب اور چھوٹی ذات کے لوگ ہی قبول کر رہے ہیں پس جو نفوسِ قدسی اس وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں ان کی حق شناسی اور خدا پرستی کے درجے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وُہ داعیٔ حق کا پہلے پہل ساتھ دے کر خود بھی داعیانِ حق کے گروہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کی حق پرستی ہر طرح کے تاثرات سے یک قلم منزہ ہوتی ہے ان کا ایمان لانا پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بچھونا ہوتا ہے۔

تاریخ اسلام میں مہاجرین اور انصار کی جماعت کا یہی مقام ہے اسی لئے السابقون الاوّلون سے زیادہ ان کے وصف میں کچھ کہنا ضروری نہ ہوا کیونکہ

یہاں اسبقیت اور اولیت سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی جب گردن تلوار کے آگے رکھ دی جائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے۔

جب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دعوت دی اور پیکر صدق وصفا نے سنتے ہی قبول کر لی تو غور کرو اس وقت اس معاملہ کا حال کیا تھا پورے کرۂ ارض میں تن تنہا دو آدمی کھڑے تھے ایک نے بلایا تھا دوسرا دوڑ آگیا تھا جس نے بلایا تھا ان کے اندر وحی الٰہی کا یقین بول رہا تھا لیکن جو دوڑا اس نے کیا دیکھا کہ ایک عجیب وغریب بات سنتے ہی قبول کر لی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملک وقوم کو اپنا جانی دشمن بنا لیا وہ کیسا تیر تھا جس سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ گھائل ہوئے تھے۔

میرے مٹنے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا بتاؤں ان کا میرا سامنا کیوں کر ہوا

اسی طرح جب عقبیٰ اولیٰ میں مدینہ کے سات آدمی بیعت کر رہے تھے تو کس سے کر رہے تھے اور کس حال میں کر رہے تھے جن کو گیارہ برس سے تمام جزیرۂ عرب جھٹلا رہا تھا اور جو خود اپنی قوم ووطن میں دشمنوں میں گھرا ہوا تھا اس نے کہا مجھے قبول کر لو اور آخرت کے بدلے ساری دنیا کی دشمنی مول لے لو اور ان عاشقانِ حق نے کہا ہم نے قبول کیا اور حضور کے لئے سارے جہاں کی دشمنیاں اور ہر طرح کی مصیبتیں اپنے سر لے لیں۔ سبحان اللہ۔

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کا معاملہ ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا جس سے بڑھ کر پیرایۂ بیان مشتاقانِ حق کے لئے ہو نہیں سکتا اللہ ان سے خوش ہوا وہ اللہ سے خوشنود ہوئے اور سورۂ مائدہ میں انہی نفوسِ قدسیہ کے متعلق پیشینگوئی یوں ہے اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔

اس آیت کا ایک اور پہلو قابلِ غور ہے یعنی رضوا عنہ پر کیوں زور دیا اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوش ہوا کیونکہ ان کے اعمال خوشنودی ہی کے لئے تھے یہ بات خصوصیت سے کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوش ہوئے اس لئے کہ ان کے ایمان و اخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں ہو سکتا تھا۔

کشادہ دستِ کرم جب وُہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

انسان جب کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ جو جواں مرد اور باہمت ہوتے ہیں وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبت جھیل لیتے ہیں لیکن ان کا جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں ان کے واسطے نہ رہی ہوں عیش و راحت ہو گئی ہوں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو باہمت ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاہیئے ان میں صرف ہمت و جوانمردی ہی نہیں ہوتی بلکہ شیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش و راحت کی طرح ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انہیں ایسی راحت ملتی ہے جو پھولوں کی سیج پر کسی کو نہیں مل سکتی ان کے لئے صرف اس بات کا تصور یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں پیش آ رہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں عشق و سرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کو کوئی اذیت ہی محسوس نہیں ہوتی یہ بات سننے میں عجیب معلوم ہو گی لیکن فی الحقیقت ایسی حالت اتنی عجیب نہیں بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے اور عشق و محبت کا مقام تو بہت بلند ہے بوالہوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں۔

السابقون الاولون (پہلے ایمان لانے والوں) کا یہی حال تھا ان پر شب و روز کی جان کاہیوں کے پورے ۲۳ سال گذر گئے لیکن اس تمام مدت میں

کہیں یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوش خوش گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں بلکہ موت میں تھی بدر و احد کے شہیدوں کے حالات پڑھو ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی ان کے حصہ میں آیا وہ بجز رات دن کی کاوشوں در مصیبتوں کے اور کیا تھا اور پھر قبل اس کے کہ اسلام کی فتح و کامرانیوں میں شریک ہونے کا وقت ملتا دشمنوں کی تیغ و سناں سے چور میدانِ جنگ میں دم توڑ رہے تھے لیکن ان کی شادمانیوں کا کیا حال تھا اس اطمینان و سکون کے ساتھ عیش و نشاط کے بستروں پر بھی کسی نے جان نہ دی ہو گی جس طرح انہوں نے میدانِ جنگ کی رتیلی زمین پر لوٹ لوٹ کر دی جنگ احد میں سعد بن ربیع کو لوگوں نے دیکھا زخموں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں پوچھا کوئی وصیت کرنی ہو تو کر دو کہا اللہ اور رسول کو میرا سلام پہنچا دینا اور قوم سے کہنا ان کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں عمارہ بن زیاد زخموں سے چور جان کنی کی حالت میں تھے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سرہانے پہنچ گئے فرمایا کوئی آرزو ہو تو کہہ دو عمارہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر اور زیادہ قریب کر لیا اور اپنا سر حضور کے قدموں پر رکھ دیا اگر کوئی آرزو ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہے کہ ؎

منم و ہمیں تمنا کہ بوقتِ جاں سپردن
بہ رُخِ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی!

ترجمہ: میری صرف یہی آرزو ہے جان نکلتے وقت حضور کے چہرۂ انور پر آنکھیں جمی ہوں اور میری آنکھوں میں حضور کا جلوہ بسا ہوا ہو۔

عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت ان کو شوہر بھائی اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر پہنچائی جاتی تھی لیکن وہ کہتی تھیں یہ تو ہوا مگر بتلاؤ اللہ کے رسول کا کیا حال ہے پھر جب آپ کا جمال جہاں آرا نظر آتا تو بے اختیار خوش ہو کر پکارتیں حضور اگر سلامت ہیں تو پھر دنیا کی ساری کلفتیں ہمارے لئے شیر و شکر کا گھونٹ ہیں۔

مشہور شاعرہ حنفہ نے جنگِ قادسیہ میں اپنے تمام لڑکے ایک ایک کر کے کٹوا دیئے اور جب آخری لڑکا بھی شہید ہو چکا تو پکار اُٹھی تعریف ہے اس ذات کے واسطے جس نے شہادت سے مجھے عزت بخشی۔

پس ورضوا عنہ میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ اور اس کے کلمۂ حق کی راہ میں جو کچھ پیش آیا انہوں نے اسے جھیلا ہی نہیں بلکہ کمال محبتِ ایمانی کی وجہ سے اس میں خوشحال وخوشنود رہے اور یہی مقام ہے جو ان کے درجے کو تمام مدارجِ ایمانی اور عملی میں ممتاز کر دیتا ہے۔

مٹا دیا میرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ!

فانوسِ رسالت کے ایک پروانہ کی سوز و مستی ملاحظہ کیجئے:۔

وہ مسجدِ نبوی کے صحن میں مجمع کسی کا منتظر ہے اس لئے کہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کی زبانی یہ اطلاع دی ہے کہ اللہ کا مہمان آنے والا ہے تمام اہلِ مجلس کی نظریں کبھی دروازے کی طرف اور کبھی خبر دینے والے کے روشن چہرۂ اقدس کی طرف اٹھتی ہیں۔

یکایک ایک نوجوان آتا دکھائی دیا پریشان حال، پریشان بال اس کی ساری کائنات دو کمبل تھے ایک بدن کا کام دے رہا تھا ایک ستر پوشی کا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ کر استقبال کیا اور گلے سے لگایا اس کے بعد وہ اصحابِ صفہ میں داخل ہو گیا کچھ محنت و مزدوری کرتا اور باقی سارا وقت دین سیکھنے میں لگا دیتا۔

اس کا باپ مر چکا تھا چچا اس کا ولی تھا اور شقاوت میں ابو جہل سے بھی آگے تھا اس کا سارا ترکہ اس کے چچا کے قبضہ میں تھا اس نوجوان نے کہیں ایک دن یہ کہہ دیا تھا چچا جان میں اپنے دل میں اسلام کی روشنی محسوس کر رہا ہوں اس شوق کا ظاہر کرنا تھا کہ ظالم چچا نے

کھجور کی لاٹھی سے اتنا مارا کہ بدن پر بدھیاں پڑ گئیں کپڑے چھین لئے۔ اور برہنگی کی حالت میں ماں کے پاس گیا اس نے رحم کھا کر کمبل کے دو ٹکڑے جسم پوشی وستر پوشی کے لئے دے دیئے اس حالت میں منزلیں طے کرتا ہوا وہ منزلِ مقصود پر آگیا اور اصحاب صُفہ میں داخل ہوگیا۔ اسے قرآن سے عشق تھا اور اکثر بلند آواز میں قرآن پڑھا کرتا بعض لوگوں کو یہ ناگوار بھی گذرتا مگر وُہ خاموش رہتے حضرت عمر فاروقؓ نے اسے کئی بار سمجھایا کہ صاحبزادے تمہاری قرأت سے دوسروں کو خلل پہنچتا ہے لہذا آواز کو ذرا پست رکھا کرو نوخیز نوجوان نے اس نصیحت کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور اپنے ذوق وشوق میں لگا رہا حضرت عمر کو ایک بار غُصہ آیا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے ہاتھ پکڑ کر فرمایا اسے کچھ نہ کہو یہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا کر آیا ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس دن کے بعد سے حضرت عمر کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی اس نوخیز نے ایک دن اپنی تمنا کا اظہار یوں کیا "میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی آرزو رکھتا ہوں" جواب ملا اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکل کھڑے ہو اور راستہ میں کسی وجہ سے موت آجائے تو یہ بھی عین شہادت ہے یہ ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

یہ جملے زبانِ اقدس سے بلاوجہ نہ نکلے تھے جلد ہی تبوک کا معرکہ پیش آیا مجاہدین کا قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا یہ نوجوان راستہ میں بیمار ہوا تیز بخار کا حملہ تھا جانبر نہ ہو سکا۔

مگر یہ عجیب موت تھی کہ زندگیاں اس پر قربان ہو رہی تھیں مقصودِ کائنات سر بالیں موجود تھے مرنے والے کی نظریں چہرۂ اقدس پر جمی ہوئی تھیں ساکنانِ حریم قدس عالم وجد میں گویا یوں کہہ رہے تھے:

بہ چہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقتِ جان سپردن بسرش رسیدہ باشی!

موت کی آخری ہچکی سے پہلے اس نے بھرپور نظروں سے چہرۂ انور کو دیکھا اور آنکھوں کے پردے میں تصویر لے کر ہمیشہ کے لئے آنکھیں موندلیں ؎

آپیارے نین میں پلک تو ہے موندلوں
نا ہیں دیکھوں اور کو نا ہے دیکھن دوں!

جس کسی نے یہ منظر دیکھا یا سُنا یا آئندہ کبھی سُنے گا وہ زبانِ حال سے کہتا رہے گا یارسول اللہ!

تجھ سے میری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی میری آرزو تو ہی میری جستجو!

اس کے کفن کے واسطے حاصلِ کائنات نے اپنی نورانی چادر عنایت فرمائی یہ عشق کا مارا برہنہ کر کے گھر سے نکالا گیا تھا اس لئے اس منفرد قسم کے کفن کا بھی یہی حق دار ہو سکتا تھا اس کی قبر ان منتخب روزگار بزرگوں نے کھودی جن کے قدموں سے اپنی آنکھیں ملنا حورانِ بہشتی کے لئے بھی موجب فخر ہے یہ وہ لوگ تھے جو کنتم خیر امۃ کے اوّلین مخاطب تھے رات ہو چکی تھی مشعل اس کے ہاتھ میں تھی جو مسجد نبوی کا سب سے پیارا مؤذن تھا اور جس کی استقامت نے چار دانگ عالم میں ندائے حق کی مشعل روشن کی اور جسے حضرت فاروق اعظم سیدنا فرما کر مخاطب فرماتے تھے قبر تیار ہوئی تو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خود اس میں اتر کر لیٹ گئے پھر فرمایا لاؤ اپنے بھائی کو صدیق و فاروق سہارا دے کر اسے اتارنے لگے تو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اس بھائی کا ادب ملحوظ رکھو پھر خود اسے دونوں مبارک ہاتھوں کے سہارے اس طرح گودِ اقدس میں لے لیا جیسے کوئی اپنی چہیتی اولاد کو لیتا ہے اسے زمین پر لٹا کر پیشانی چومی اور فرمایا:-

"محمد آج شام تک اس سے راضی رہا۔ بارِ الٰہا تو بھی اس سے راضی ہو جا"

آج کائنات کا ذرہ ذرہ اس شہیدِ ناز کی موت پر رشک کر رہا تھا

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے بغیر
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

پس ثابت ہوا کہ افضل ترین مقام امت میں اصحابِ رسول کو حاصل ہے جن میں بلاشبہ درجات ہیں جن کا انحصار عشق و مستی کی کیفیت پر موقوف ہے اس مقامِ بلند کو پانے کے واسطے بہتر ہو گا کہ نسلِ انسانی کی مختلف کڑیوں پر غور کیا جائے

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے تمام انسان ایک جیسے ہیں لیکن حقیقی شئے شکل و صورت نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ و مقام کچھ نہیں کیونکہ جو لوگ اللہ کی ہستی اور اس کی صفات پر ایمان نہیں لاتے باوجودیکہ وہ انسان ہیں لیکن قرآنِ حکیم ان کو دائرۂ انسانیت سے خارج کر دیتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

"بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین چارپائے وہ ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی،" (سورۂ انفال)

"ان لوگوں کو اس آدمی کا حال سنائیں جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس نے وہ جامہ اتار دیا (یعنی دانش و فہم کا) پس شیطان اس کے پیچھے لگا نتیجہ یہ نکلا کہ گمراہوں میں ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں کے ذریعے اس کا مرتبہ بلند کرتے مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گی مشقت میں ڈالو جب بھی ہانپے اور زبان لٹکائے چھوڑ دو

جب بھی ایسا کرے ایسی ہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں یہ حکائتیں لوگوں کو سنایئے تاکہ ان پر غور کریں،، (سورۂ اعراف)
اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہوائے نفس کی پیروی انسان کو کتے کی مثال بنا دیتی ہے اور دنیا میں کوئی ایسی برائی نہیں جس کا سرچشمہ ہوائے نفس نہ ہو۔ رشوت، ملاوٹ، چوری، ڈاکہ، قتل و غارت، زنا، شراب، سودخوری لالچ و طمع غرضیکہ ہر برائی ہوائے نفس ہی سے پھوٹتی ہے قرآن حکیم کے اعجازِ بلاغت کے سامنے سرتسلیم خم کر دینے کے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ کس طرح ایک لفظ میں اتنی بڑی حقیقت بیان فرما دی جن بدنصیبوں نے ہوائے نفس کی پیروی کی اور احکام خدا میں میم میخ نکال کر اسے نہ مانا وہ تو پہلی سیڑھی سے ہی نیچے گر پڑے اور گرے بھی ایسے کہ اسفل السافلین میں جا پہنچے یعنی ذلت و پستی کا قعرِ عمیق جس سے نیچے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی اور ان کا ایسے لوگوں سے کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا جو اللہ پر ایمان لائے ارشاد ہے:۔

"برابر نہیں اندھا اور بصیرت والا اور نہ ہی ظلمت اور نور، نہ سایہ اور دھوپ اور برابر نہیں مردے اور زندہ"۔ (سورۂ فاطر)

اللہ کو ماننے والے بصیرت رکھتے ہیں، زندگی کی حقیقتوں سے واقف ہیں نورِ ربانی ان کی ہدایت ہے جس سے وہ رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور رحمتِ ایزدی کے خوشگوار سایہ میں مقیم ہیں ان کے مقابل کفار ہیں جو اندھے ہیں زندگی کی حقیقتوں کو نہیں دیکھ سکتے ہوائے نفس کی پیروی میں اپنے خالق سے منکر ہیں اور کفر و ضلالت کی ظلمت میں سرگرداں و پریشان قہرِ خداوندی کا شکار ہو کر نارِ جہنم میں جلنے کا سامان کر رہے ہیں نوعِ انسانی کے فوراً دو حصے ہو گئے اور دونوں میں اتنا بُعد ہو گیا کہ ایک دوسرے سے کوئی نسبت نہ رہی اتنا نمایاں تفاوت صرف ایمان لانے سے ہو گیا اب اعمال کی باری آتی ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

"جو کوئی ایمان لائے اور کرے عمل صالح اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں آتار

دے اور جنت میں داخل فرمادے جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور یہی ہے عظیم مراد کا پانا۔" (سورۃ تغابن)

ایمان کے ساتھ عمل صالح کی اہمیت بیان فرمادی جس کی بدولت جنت عطا فرمائی جائے گی اور عظیم مراد حاصل ہو گی۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی!
یہ خاکی اپنی فطرت سے نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عمل کی اہمیت واضح فرمانے کے بعد مراتب کا معیار عمل کو قرار دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

"اور ہر ایک کے درجات ہیں اپنے عمل کے لحاظ سے اور آپ کا رب کسی کے عمل سے غافل نہیں۔" (سورۃ نساء)

یہ آیت اس شک کو بھی دور فرما رہی ہے کہ جس رب قدیر نے اعمال سے درجات عطا فرمائے ہیں وہ کسی کے اعمال سے غافل بھی نہیں ہے ہر ایک کا پورا پورا حساب ہو گا اور ذرہ برابر عمل بھی رائیگاں نہیں جائے گا نہ ہی چھپ سکے گا جو خوش نصیب اس معیار پر پورے اترے ان کو خوشخبری ہے کہ :-

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر یقین محکم کیا ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ مت ڈرو اور مت کوئی غم کھاؤ اور بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم ہیں تمہارے رفیق (اولیاء) دنیا اور آخرت کی زندگی میں اور تمہارے واسطے حاضر ہے جو تم چاہو اپنے لئے اور تمہارے واسطے حاضر ہے جو تم منگواؤ یہ سب اللہ تعالیٰ غفور الرحیم کی طرف سے تمہیں بخشا گیا ہے۔"

یقین اور عمل کی بات چل پڑی ہے تو نیکی کی تعریف بھی قرآن حکیم سے سنیئے ارشاد ہے :-

"نیکی یہی نہیں کہ منہ کرو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی وُہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر، یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور خرچ کرے اپنا مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو، یتیموں کو محتاجوں کو، مسافروں کو مانگنے والوں کو اور غلاموں کو آزاد کرانے میں اور قائم کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ، پورا کریں اپنا عہد جب وعدہ کریں اور سختی اور تکلیف میں صبر کرنے والے اور لڑائی میں بھی یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور وہی ہیں جو متقی ہیں"

(سورۃ بقر)

اسی ایک آیت پر آپ غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ اللہ کا بندہ بننا کتنا مشکل ہے ایمان کے مقابلہ مال کی قربانی دینی پڑتی ہے اور اس کے خرچ کرنے کی چند مدیں بھی بتا دی گئی ہیں آج کے مسلمان امراء سے اگر پوچھیں کہ حکام وقت کی خوشنودی اور سیاست کے چکر میں انہوں نے کیا خرچ کیا ہے تو ہوشربا رقم سامنے آئے گی۔ اگر یہ سوال کر دیجئے کہ اللہ کی خوشنودی کے واسطے کیا خرچ کیا کتنے غریب، عزیزوں اور رشتہ داروں کی مدد کی، کتنے مسافروں کی حاجت روائی کی، کتنے یتیموں، بیواؤں اور بیکسوں کی امداد فرمائی تو یقین غالب ہے کہ اکثر امراء بغلیں بجانے لگیں گے کاش وُہ جان لیں کہ دولت عطا ہی اللہ نے کی ہے اس کے حکم کے مطابق اسے خرچ کرنا اپنی ہی سعادت ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد پر خرچ کیا ہوا مال کبھی رائیگاں نہیں جاتا باقی سب رائیگاں جائے گا کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

آنچہ خوردی رزقِ موراں آنچہ بُردی مشتِ خاک
آنچہ ماند زیاراں آنچہ دادی مالِ تست

ترجمہ: جو کچھ تو نے کھایا وہ چیونٹیوں اور کیڑوں، مکوڑوں کی خوراک ہے جو ساتھ قبر میں لے جائے گا وُہ خاک کی ایک مٹھی ہے جو باقی رہ جائے

گا وُہ تیرے رشتہ داروں کا حصہ ہے لیکن جو کچھ تو اللہ کی راہ میں خرچ کر گیا وہی دراصل تیرا مال ہے۔"

اُمراء سوچیں کہ ان کا اپنا مال زیادہ ہے یا سب کچھ ہی رزقِ موراں، مُشتِ خاک یا ملکِ یاراں ہے اور خود سانپ کی طرح رکھوالی فرما رہے ہیں

مال کے خرچ کے بعد نماز کا ذکر ہے جو اس حضورِ قلب سے ہو کہ مال و دولت کی محبت دل سے مٹ جائے پھر زکوٰۃ کا حکم ہے جو اس پاک مال سے ادا کر کے اسے مزید پاک کرے گا اور موجب رحمت و برکت ہو گا پھر وعدہ ایفائی ہے کہنے میں بہت آسان لیکن کرنے میں بہت مشکل ناظرین خود اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور معلوم کریں کہ ہم کہاں تک یہ شرط پوری کرتے ہیں آخر میں ہر سختی اور تکلیف میں صبر کا ذکر ہے کیونکہ جدوجہد انسان کے بس میں ہے اسی واسطے جدوجہد کی تاکید فرمائی لیکن نتیجہ اللہ کے ہاتھ ہے وہ جو چاہے عطا کرے اور جو وہ عطا کرے وہی بہتر ہے لہذا اس کی عطا پر صبر کرنا ایمان والوں کی صفتِ کمال ہے۔

مسلمان اور اسلام کو صرف چند عقائد کا مجموعہ سمجھنے والے اور میدان عمل میں اپنی من مانی کرنے والے اس ملازم سے زیادہ وفادار نہیں جو صبح و شام اپنے آقا کو کہتا رہے میں جناب کا غلام ہوں لیکن جب آقا پانی مانگے تو کہے نہیں جناب یہ بات نہیں ہو سکتی کوئی اور خدمت بتایئے آقا کہے بازار سے سودا لے آؤ تو نوکر نہایت ادب سے گذارش کرے جناب یہ بھی نہیں ہو سکتا کوئی اور حکم کیجیے، غرضیکہ آقا کا ہر حکم ٹالتا رہے تو آپ ہی فرمایئے ایسا نوکر واقعی نوکر کہلانے کا مستحق ہے بعینہٖ وُہ بندہ جو اپنے خالق کے احکام کو مانتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا وہ بندہ کہلانے کا مستحق نہیں رہتا حضرتِ اقبال خدا کی اطاعت اور ہوا و نفس کی بندگی کو کیا خوب واضح فرماتے ہیں ؎

یہ بندگی خدائی وُہ بندگی گدائی

یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

اللہ کے احکام کی پوری اطاعت سے ہی وہ مقام حاصل ہوتا ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم نے اس آیۂ مقدسہ میں فرمایا ہے:

"تو نہ دیکھے ان کو جو ایمان لائیں اللہ پر اور یوم آخرت پر پھر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا بھائی ہوں یا اپنے گھرانے کے ہوں ان کے دلوں میں مکتوب ہو چکا ہے ایمان اور ان کی مدد کی گئی ہے اپنے غیب کے فیض سے اور اللہ داخل کرے ان کو جنت میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی وہی ہے جماعت اللہ کی وہی فلاح یافتہ ہے" (سورۂ حشر)

بات بشر کے مراتب کی ہو رہی تھی جو پیدائش میں سب برابر ہیں ضروریاتِ زندگی سب کی یکساں ہیں شکل و صورت ایک سی ہے لیکن جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو مانا وہ فوراً منکروں سے ممتاز ہو گئے ایک جوں جوں ایمان کو عمل کا رہنما بناتا جائے گا اس کا مرتبہ بلند ہوتا جائے گا دوسرا جوں جوں کفر میں بڑھے گا اس کا مقام گھٹتا جائے گا اب عمل کے لحاظ سے جب ہم مراتب پر غور کرتے ہیں تو ساری امت میں افضل ترین مقام اصحابِ رسول کا پاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی امتی کسی صحابیِ رسول کا ہم پایہ نہیں ہو سکتا کیونکہ باقی عبادات کو چھوڑ بھی دیں تو ان بزرگ ترین ہستیوں کا رخِ انور کا نظارہ ہی ان کو وہ بلند مقام عطا کرتا ہے جو باقیوں کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ نبی و رسول کی محبت، معیت، خدمت اطاعت اور فرمانبرداری ہم کو نصیب نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ اللہ و رسول کے احکام کی جس طرح ان بزرگوں نے اطاعت کی اس کی ہوا بھی ہمیں نہیں لگ سکتی حکم ہوتا ہے شراب حرام ہوئی تو ہونٹوں کے ساتھ لگا ہوا پیالہ زمین پر توڑ دیا جاتا ہے ذخیروں کو بہا دیا جاتا ہے اور مدینے کی گلیوں میں لال پری ذلت و خواری سے بہ رہی ہوتی ہے، سود حرام ہوتا ہے تو یہ اللہ کے متوالے بغیر کسی حیل و حجت کے

آمنا وصدقنا کہتے ہیں انہیں ذرا بھی پریشانی نہیں ہوتی کہ ہم اتنا نقصان کیسے برداشت کریں یہاں تک کہ جان و مال کی قربانی کا حکم ملتا ہے تو دیوانہ وار میدان عمل میں کود پڑتے ہیں کسی کا کوئی عزیز سے عزیز رشتہ اور اس کی محبت مانع نہیں ہوتی بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باپ بیٹے کے خلاف جنگ آزما ہے تو بھائی بھائی کے خلاف ان کا صرف اور صرف ایک ہی رشتہ ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ظاہر ہے جن نفوس قدسیہ نے ایسے انمٹ اور بے مثال نشان چھوڑے ہوں ان کی ہمسری نہیں ہو سکتی لیکن اصحاب رسول بھی سب مرتبہ میں برابر نہ تھے اس واسطے کہ ان کے اعمال اور ایمان میں بھی ایک دوسرے سے کمی بیشی تھی اسی کا ذکر قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے جو ابھی ابھی آپ نے پڑھی ہے یعنی ارشاد ہے :-

"مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے خوشنود ہوا اور اللہ سے خوشنود ہوئے"

مطلب یہ ہوا کہ جن بزرگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی یعنی اولین مسلمان ان کا مرتبہ ان کے بعد ہونے والوں سے بلند ہوا ان کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ملاحظہ فرمایئے :-

"جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا نبیوں میں سے اور صدیقوں میں سے اور شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے اور ان کی رفاقت بلاشبہ احسن ہے" (سورۂ النساء)

واضح ہوا کہ سب سے بلند مقام نبی کا ہے اس کے بعد صدیق کا جس کا اشارہ سورۂ الحدید میں ملتا ہے۔

" جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر وہی صدیق ہیں اور
اپنے رب کی طرف سے احوال بتانے والے انہی کے واسطے اجر
ہے اور نور "

نور کے لفظ پر غور کریں تو بے شمار حقیقتیں کھلتی ہیں قرآنِ حکیم کو بھی نور فرمایا گیا ہے اور رب کریم کو بھی سورۃ النور میں ارشاد ہے :۔

" اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے "

آسمانوں اور زمین کا لفظ قرآنِ مجید میں بالعموم کائنات کے معنی میں بولتا ہے لہذا دوسرے الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا نور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صدیق اور مومن کی منزل منتہیٰ مشاہدۂ حق ہے ۔

شعلہ در گیسد زد در خس و خاشاکِ من
مرشد رومی کہ گفت منزلِ کبریا است

نبی کے بعد صدیق کا مقام ہے اور صدیق کے بعد شہید کا اب دیکھنا یہ ہے کہ شہید کس منزل میں ہے سورۂ آلِ عمران میں ارشادِ ربانی ہے :۔

" اور آپ نہ سمجھیں جو لوگ قتل ہوئے اللہ کی راہ میں وہ مُردے ہیں نہیں
بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں خوش ہیں اس
پر جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا "

ان تیسرے درجے کے بزرگوں کی موت کو اللہ تعالیٰ سختی سے منع فرما رہے ہیں کہ ان کو مُردے مت کہو اگر مردے نہیں تو کیا ہیں جواب ہے زندہ ہیں تو کھاتے بھی ہوں گے جواب ہے ہاں کھاتے بھی ہیں اپنے رب کے پاس سے زندگی کے ساتھ غمی اور خوشی بھی ہے لہذا ہم ان کی حالت بھی جاننے کے ضرور متمنی ہوں گے ارشاد ہے ہاں تم جان سکتے ہو وہ یہ ہے اللہ کی عطا پر بہت خوش ہیں معلوم ہوا کہ موت جس کے نام سے ہم ساری عمر کانپتے رہتے ہیں

وہ موت جس کا حملہ ہمارے منصوبے ختم کر دیتا ہے اور جس کے شکار کو ہماری ظاہر بین آنکھ مردہ کہتی ہے اس واسطے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیتی ہے وُہ موت شہید سے شکستِ عظیم کھا جاتی ہے وہی موت شہید کو ابدی زندگی عطا کرتی ہے کیا یہ وہی موت ہے جو عام بشر کو آتی ہے جواب ہے نہیں اور بالکل نہیں موت کی کمر شہید توڑ دیتا ہے تو کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ شہید سے بلند مرتبہ والے صدیق کو یہ فنا کر دیتی ہے جواب یقیناً نفی میں ہے اور نبی کا مقام صدیق سے بھی اوپر ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شہید کا مقام بلند اور صدیق کا مقام بلند تر نبی کی اطاعت کا ثمرہ ہے لہذا ثابت ہوا کہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے واسطے موت نہیں بلکہ زندگی ہی زندگی ہے اس مقام کو دل کی گہرائیوں میں تلاش فرمائیے عقل و خرد اس کو نہیں پا سکتی ؎

حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی!
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری

اب مہاجرین مکہ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے :۔

"پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے میری راہ میں لڑے اور مارے گئے اتاروں گا ان سے برائیاں ان کی اور داخل کروں گا جنت میں"۔ (سورۂ آل عمران)

دوسری جگہ سورۂ الحج میں ارشاد ہے :۔

"جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر لڑائی میں قتل ہوئے یا اپنی موت مر گئے تو دونوں صورتوں میں ضروری ہے کہ اللہ انہیں آخرت میں بہتر سے بہتر روزی دے گا اور یقیناً اللہ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے"

ناظرین سے گذارش ہے کہ مندرجہ بالا ارشاداتِ ربانی پر غور فرمائیں جو واضح ثبوت ہیں کہ تمام اصحابِ رسول جنہوں نے ہجرت فرمائی جنت مکین ہیں

خواہ وہ طبعی موت ہی سے اس دنیا سے نہ اٹھے ہوں اللہ سے وہ رزق پانا اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا وہ اجر عظیم ہے جس کا اندازہ ممکن نہیں لیکن غلامانِ رسول اس سعادتِ ابدی سے پوری طرح فیض یاب ہیں جس کی فرمانِ باری شہادت دے رہا ہے کیا کوئی اور ہستی اس کا دعویٰ کر سکتی ہے ؂

حدیثِ دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

ناظرین اب اس مقام و مرتبہ کا اندازہ فرما سکتے ہیں جو بشر کا قرآن حکیم نے مقرر کیا ہے اور جو مومن کو عطا ہوتا ہے بشریت وہ ابتدائی کڑی ہے جو شکل و صورت کی یکسانی کی وجہ سے سب پر حاوی ہے لیکن کیا شکل و صورت کچھ اہمیت رکھتی ہے قرآن کا جواب ہے ہرگز نہیں بلکہ اصل چیز ایمان اور عمل ہیں جن کی بدولت مومن موت سے بھی نہیں مرتا لیکن کافر زندگی کے باوجود مُردہ ہے آنکھوں کے باوجود اندھا ہے، کانوں کے باوجود بہرہ ہے، زبان کے باوجود گونگا ہے لہذا ہر کہ و مہ کو زیب نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت نبیوں، دوستوں اور بندوں کو مقامِ بشریت میں محکوم رکھے جو اللہ کی بندگی کا دعویٰ کرنے سے ہی ٹوٹ جاتا ہے اور ایک دوسرے کو اتنا دور لے جاتا ہے کہ نیچے والے کا اوپر کے مقام کو جاننا ناممکن ہے بعینہٖ اسی طرح جیسے ایک میٹرک پاس کسی علمی ڈاکٹر کی اہلیت کا اندازہ نہیں کر سکتا بلکہ اس سے بھی زیادہ ناظرین غور فرمائیں اور حیرت و استعجاب میں ڈوب کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ رسول کے مقام بلند کو نہ پا سکنے کا اعتراف فرمائیں ہم نے بہت تیر مارا تو متقی کا مقام پا لینے میں سعادتِ دارین سمجھیں گے ہماری کہاں بساط کہ نفوسِ قدسیہ کے مقام کا احاطہ کر سکیں جن کی پرواز نورانی فضاؤں میں نوریوں کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے ہے ؂

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں!
مرے مولیٰ مجھے صاحب جنوں کر

دُنیا میں نصرتِ الٰہی

اب تک ناظرین نے اصحاب رسول پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ذکر اُخروی زندگی کے متعلق پڑھا ہے آج کا مسلمان یہ سوچ رہا ہے کہ آخرت تو ہو گی جو کسی نے نہیں دیکھی دنیا میں ایمان و عمل کا کیا ثمرہ ہے یہ قدرتی سوال ہے لہذا اس کا جواب ہمیں ضرور تلاش کرنا چاہیئے لیکن جواب تلاش کرنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ کسی چیز کا انعام واکرام اس وقت ملتا ہے جب کوئی شخص پوری طرح انعام دینے والے کا ہو جائے اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھنا مناسب ہو گا۔

فرض کیجئے ایک کارخانہ ہے وہاں کے ملازمین کے ذمے حسب مراتب کام تعین ہے مزدور کے ذمے بوریاں اٹھانا ہے اب ایک شخص جو کارخانہ میں ملازم ہی نہیں وہ روزانہ جاتا ہے اور باقی مزدوروں کے ساتھ مل کر تمام دن کام کرتا ہے کارخانہ کا مالک اس کے کام سے واقف ہے لیکن چونکہ وہ مزدور ملازم نہیں اس واسطے ایسے مزدور کو تنخواہ نہیں ملے گی البتہ اگر مالک چاہے تو اُسے کچھ نہ کچھ دے دے گا یہی حال ایمان اور کفر کا ہے یوں سمجھیئے کہ ایمان لاکر ہم اللہ کی جماعت میں ملازم ہو جاتے ہیں اور اللہ سے کفر کرنے والے اس مزدور کی طرح ہیں جو بغیر ملازم ہوئے کچھ نہ کچھ بہتر کام کر رہے ہیں۔

اب ایک ملازم ہے جو کام تو بہت کرتا ہے لیکن وقت پر حاضر نہیں ہوتا۔ وقت سے پہلے چھٹی کر جاتا ہے کئی کئی دن غیر حاضر بھی رہتا ہے ہاتھ چلے تو کارخانہ سے کچھ نہ کچھ چوری بھی کر لیتا ہے باقی ملازمین سے لڑائی جھگڑا بھی کرتا رہتا ہے مالک کے چند احکام خوشی خوشی مان لیتا ہے لیکن بہتوں کو ٹھکرا دیتا ہے وہ کہتا ہے یہ حکم میری سمجھ میں نہیں آتا اس واسطے میں یہ نہیں مان سکتا وہ مزدور ہے لیکن چاہتا ہے کہ موٹر چلائے مالک کا حکم ہے کہ ایسا مت کرو کوئی حادثہ کر لو گے مر جاؤ گے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ تمہارے لئے بُرا ہے مزدور کہتا ہے مالک نے میرے ساتھ ظلم کیا مجھے موٹر نہیں دی آپ سوچیں اور خیال کریں کہ

ایسے مزدور کا کیا حشر ہوگا کیا وہ مالک کے انعام واکرام کا حقدار سمجھا جائے گا؟ کیا اسے حق پہنچتا ہے کہ ان عادات وخصائل کے باوجود لوگوں سے کہتا پھرے کہ میرا مالک مجھے وہ حقوق کیوں نہیں دیتا جو کسی اور کو دے رہا ہے؟ نہیں بلکہ ایسے مالک کو تو مالک کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ ان بری عادتوں کے باوجود اس کا نام نہیں کٹا حق تو یہ ہے کہ اسے لات مار کر کارخانہ سے باہر نکال دیا جائے چہ جائے کہ وہ کسی انعام کی توقع رکھے بعینہ یہی حال مومن کا ہے وہ اس معاملہ میں آزاد ہے کہ اللہ کو ماننے سے پہلے پوری طرح سوچ لے کہ اسے ماننا چاہیئے یا نہیں اور میرے خیال میں لا اکراہ فی الدین کا یہی مطلب ہے لیکن جونہی کوئی شخص اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو پھر اس کی آزادی چند بنیادی پابندیوں میں محصور کر دی جاتی ہے پھر وہ من مانی نہیں کر سکتا جہاں اللہ کا حکم ہے وہاں اس کی آزادی سلب ہو جائے گی اور جب یہ مقام پائے گا تب ان نعمتوں کا سزاوار ہوگا جو ایمان وعمل کا لازمی ثمرہ ہیں ؎

تقدیر کے پابند نباتات وجمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

اس بنیادی نکتہ کو سمجھنے کے بعد آیئے اصحاب رسول کی دنیاوی کامرانیوں پر ایک نگاہ ڈالیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اصحاب رسول اسلام سے پیشتر آگ کے گڑھے پر کھڑے تھے اور شاید ہی کوئی گناہ ایسا ہو جو رائج نہ ہو شیطان اپنی پوری آن بان سے محو رقص تھا یکایک نعرۂ توحید کی گونج سنائی دی اور سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچنے لگی جن نفوس قدسیہ نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر پہلے پہل ایمان لایا ان میں سے ماسوائے چند ایک باقی حضرات معاشرہ میں کسی بلند مقام کے مالک نہ تھے بلکہ اکثریت غرباء اور مساکین کی تھی قابل غور بات یہ ہے کہ کیا ان کے ایمان لاتے ہی ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں برسنے لگیں یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ان کا ایمان ہم میں سے ہر ایک

کے ایمان سے بہت اونچا تھا ایک دو مثالیں ناظرین ملاحظہ فرمائیں :-

دعوئی نبوت کا گیارہواں سال ہے محبوبِ خدا پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں اپنی ذات کے واسطے نہیں بلکہ مسلمانوں کی بیکسی قلبِ اقدس پر ناگوار گذرتی ہے۔ امرائے عرب اسلام سے دشمنی چھوڑنے کو تیار نہیں بلکہ مسلمانوں کو نت نئی مصیبتوں میں مبتلا کرنے کے درپے ہیں حضرت ابو طالب اور حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ جیسی شفیق و غمگسار ہستیاں دنیا سے رحلت فرما چکی ہیں ایسی مایوس کن حالت میں محبوبِ خدا کو معراج کی سعادتِ کبریٰ سے نوازا جاتا ہے تاکہ اللہ کی قدرتوں کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمالیں حضور سید الانبیاء واقعۂ معراج کا اعلان فرماتے ہیں تو اُمرائے قریش طعنہ زن ہوتے ہیں اس واقعہ کو جھوٹ و افتراء کہا جاتا ہے کیونکہ اس واقعہ پر عقل کی کسوٹی مہر تصدیق لگانے سے یکسر قاصر تھی انہوں نے سوچا چلو عاشقِ رسول کی ذرا خبر لیں دوڑے دوڑے حضرت صدیق اکبر کے پاس پہنچے اور کہا کہ اے ابوبکر کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص رات کے تھوڑے سے حصہ میں مکہ سے بیت المقدس جائے اور پھر واپس بھی آجائے آپ نے فرمایا نہیں اب کافر سمجھے میدان مار لیا ہے اچھل کر بولے حضرت یہی نہیں بلکہ آپ کے رسول فرمارہے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف بیت المقدس تک سفر کیا بلکہ ہفت افلاک کی بھی سیر فرمائی اور پھر واپس بھی آگئے آپ خود ہی بتائیں کہ کیا ایسا شخص رسول ہو سکتا ہے جو اتنا بڑا جھوٹ بولے کفار کا یہ سوال اگر آج کے مسلمان سے کر دیا جائے تو آپ سوچیں وہ کیا جواب دے گا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال آج کل کے بہت سے مسلمانوں کو درپیش ہے چند ایک نے اس واقعہ کو جسمانی معراج ماننے سے ہی انکار کر دیا ہے وہ نہیں سوچتے کہ اگر یہ واقعہ خواب میں پیش آیا تھا تو اس میں وہ کونسا کمال تھا جس کو قرآنِ کریم میں بیان فرمایا گیا آخر ہم اور آپ بھی تو خواب میں امریکہ کی سیر کر ہی لیتے ہیں لیکن سنیئے صدیق اکبر کیا جواب دیتے ہیں حضور کا نامِ نامی سنتے ہی سرِ مبارک ادب واحترام سے جھک جاتا ہے

زبان مبارک درود و سلام کا ورد شروع کر دیتی ہے اور آپ ارشاد فرماتے ہیں
اگر میرے آقا نے یہ فرمایا ہے تو خدا کی قسم بالکل سچ فرمایا ہے تم مانو یا نہ مانو
نبی کا فرمان صدیق کے نزدیک کسی دلیل کا محتاج نہیں غور فرمائیے حضرت صدیق
کا ایمان آپ یہ فرما سکتے تھے کہ ٹھہرو میں ابھی حضور سے پوچھ کر جواب دوں گا لیکن
نہیں عشق و مستی کی آگ میں جلنے والے نے یہ بھی اندازہ فرما لیا تھا کہ اتنا بڑا دعویٰ
سوائے میرے آقا کے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا لہذا فوراً اقرار کر لیا
کہ میرے آقا نے بالکل سچ فرمایا ہے۔

دوسرا واقعہ شمع رسالت کے پروانے اور امت کے آقا حضرت فاروق
کا ہے مدینۃ الرسول میں ایک مسلمان اور ایک یہودی کا کچھ تنازع تھا مسلمان نے
کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے یہودی کو یقین تھا
کہ حضور علیہ السلام کا فیصلہ حق پر ہوگا اور حق میرے ساتھ ہے وہ فوراً راضی
ہو گیا دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا اپنا مقدمہ پیش کیا۔

سردار دو جہاں نے بیان لینے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا مسلمان کو
اس فیصلہ سے رنج ہوا لیکن بارگاہ رسالت میں لب کشائی کی جرأت نہیں تھی
باہر آیا تو یہودی سے کہا کہ حضور نے میرے بیان کا پورا پورا اندازہ نہیں فرمایا
چلو حضرت عمر فاروق کے پاس جاتے ہیں جن کا دولت کدہ قریب ہی ہے یہودی
جس کو یقین تھا کہ شمع رسالت کے پروانے حق کی حمایت ہی کرتے ہیں فوراً راضی
ہو گیا اور قضا ان دونوں کو بارگاہ فاروقی میں لے گئی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
کے سامنے مقدمہ پیش ہوا یہودی نے کہا ہم بارگاہ رسالت میں بھی حاضر ہوئے
تھے اور حضور نے میرے حق میں فیصلہ صادر فرمایا تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ) نے مسلمان سے تصدیق چاہی تو اس نے کہہ دیا کہ یہودی ٹھیک کہتا ہے
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ سن کر اٹھے اور فرمایا ذرا ٹھہرو میں ابھی فیصلہ
کرتا ہوں آپ اندر تشریف لے گئے اور شمشیر بکف باہر آئے مسلمان کی

گردن اُڑاتے ہوئے فرمایا جس بدبخت کو میرے آقا کا فیصلہ منظور نہیں عمرؓ کے نزدیک اس کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے اللہ اکبر! آج کا مسلمان قدم قدم پر حضورؐ کے فیصلوں سے انحراف ہی نہیں کرتا بلکہ ان پر کڑی تنقید بھی کر رہا ہے نہ جانے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہوتے تو کتنے دھڑ سروں سے آزاد ہو چکے تھے۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اصحاب رسولؐ شمعِ رسالت پر اسی طرح پروانہ وار نثار تھے لیکن انعامِ خداوندی کا اہل قرار پانے کے واسطے اعمالِ صالح کی بھی ضرورت تھی اور ان عاشقانِ حق کو کٹھن سے کٹھن امتحان میں ڈالا گیا جس کی تفصیل تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے اور یہ آزمائش انعامِ خداوندی کے واسطے ضروری تھی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

"تم آزمائے جاؤ گے مال کی قربانی سے اور سنو گے بدگوئی ان لوگوں سے جن پر تم سے پہلے کتاب نازل کی گئی اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اگر تم نے صبر کیا پرہیزگاری اختیار کی تو یہ ہمت کا کام ہے"
(آل عمران)

"اگر تم بچے رہو گے بُری چیزوں سے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم معاف کریں گے تقصیریں تمہاری اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں" (سورۃ النساء)

"اے ایمان والو یاد کرو اللہ کو کثرت سے اور تسبیح بیان کرو اس کی صبح و شام وہی ذات ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے کہ نکالے تم کو ظلمت سے نور میں اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے" (سورۂ احزاب)

"عقلمند وہ لوگ ہیں جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے ،

بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اور غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر اور کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا بیشک تو پاک ہے سو ہم کو بچا دوزخ سے۔" (سورۂ آل عمران)

مندرجہ بالا آیات ان متعدد آیات میں سے ہیں جن میں عمل کی تلقین ہے آزمائش کی کٹھن منزل سے گذرنا یقینی ہے ان سے واضح ہو رہا ہے کہ ربِّ کریم ایمان والوں کو عزت کا مقام عطا فرمانے کے واسطے ان سے جان و مال کی قربانی چاہتے ہیں۔ غیر مسلموں سے طعن و تشنیع سنتے ہوئے ثابت قدم دیکھنا چاہتے ہیں ہر وہ کام جس سے اللہ نے منع فرما دیا ہے اس سے بچنا چاہتے ہیں بغیر اس حیل و حجت کے کہ اس امر و نہی میں مصلحت کیا ہے اور ان باتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مؤمن اس کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو وہ ہر حال میں یہ یقین محکم رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہیں اور ان کے کسی فعل سے غافل نہیں دراصل یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر اعمالِ صالح کی ساری عمارت تعمیر ہوتی ہے آپ سوچیں تو بیشتر کیا بلکہ سارے گناہ ایسے ہیں جن کو انسان چھپ کر انجام دیتا ہے چور رات کے اندھیرے میں پولیس کی نظر بچا کر نقب لگاتا ہے، زانی ساری دُنیا کی نظروں سے چھپ کر کسی کی عصمت لوٹتا ہے، رشوت خور تنہائی میں اپنی ہوا و حرص کو ٹھنڈا کرتا ہے وعلیٰ ہذا کیا کوئی بھی مجرم کسی پولیس افسر کے سامنے جرم کرتا ہے یا کیا کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ صدرِ مملکت کی آنکھوں کے سامنے جُرم کرے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا غرضیکہ انسان ساری دنیا کی نظروں سے چھپ کر جرم و گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن بدبخت یہ نہیں سمجھتا کہ سب کچھ حاکمِ اعلیٰ کی نظروں کے سامنے کر رہا ہے دنیاوی حاکموں کا قانون مجرم کی گردن نہیں مار سکتا لیکن حاکمِ اعلیٰ کا قانون اس کی گردن توڑ سکتا ہے دنیاوی سزا ناقابلِ برداشت نہیں ہو سکتی لیکن مالکِ حقیقی کی سزا ناقابلِ برداشت ہو گی اور جس کی میعاد کبھی ختم ہونے والی نہیں ایسے انسان کی بدبختی پر رونا چاہیئے جس کو باقی سب کچھ نظر آتا ہے لیکن وہ قادرِ مطلق نظر نہیں آتا

جس کا ارشاد گرامی ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ جہاں تم ایک ہو اور دوسرا میں نہ ہوتا ہوں، جہاں تم دو ہو اور تیسرا میں نہ ہوں جہاں تم تین ہو اور چوتھا میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ پر یہی یقینِ محکم تھا جس پر اصحابِ رسول کی پاک و مقدس زندگیوں کا انحصار تھا جب اس منزل پر کاروانِ عشق کا مقام ہوا تو ارشاد باری تعالیٰ نے یوں اُن کی تعریف فرمائی:-

"تو نہ دیکھے ان کو جو ایمان لائیں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر پھر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول کے اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں، یا بیٹے، یا بھائی ہوں، یا اپنے گھرانے کے ہوں ان کے دلوں میں مکتوب ہو چکا ہے ایمان اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے (بروح) اور اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان کو جنت میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، ہمیشہ رہیں گے ان میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی وہی ہے جماعت اللہ تعالیٰ کی بلاشبہ جو جماعت ہے اللہ تعالیٰ کی وہی فلاح یافتہ ہے" (سورۃ الحشر)

ہر آزمائش پر پورا اترنے کے بعد نصرتِ ایزدی کا وقت آنا ضروری تھا چنانچہ اس کی ابتداء جنگ بدر میں حق و باطل کی معرکہ آرائی سے ہوئی باطل دنیاوی ساز و سامان سے مسلح اپنی کثرت پر نازاں اور حق پرستوں کی بے سرو سامانی تین سو تیرہ کے مختصر گروہ پر خنداں میدان میں اترا حق و باطل کا یہ معرکہ اولین تھا تاریخ کا ہر طالب علم اس بے مثال معرکہ کے انجام سے بخوبی واقف ہے جس میں باطل کو کچل دیا گیا لیکن ظاہر بین آنکھ اِن حقائق تک نہیں پہنچ سکتی جو قادرِ مطلق کا دستِ غیب سرانجام دے رہا تھا مؤرخ اس حقیقت سے بے بہرہ رہا ہے آئیے قرآن سے معلوم کریں کہ کیا ہوا اور کیسے ہوا ارشادِ خداوندی ہے:-

"جب ایسا ہوا تھا (جنگِ بدر کے موقعہ پر) آپ نے اپنے رب سے

فریاد کی تھی کہ ہماری مدد فرما اور اللہ نے آپ کی فریاد سن لی تھی اس نے کہا تھا میں ایک ہزار فرشتوں سے کہ یکے بعد دیگرے آئیں گے آپ کی مدد کروں گا اور اللہ تعالی نے یہ بات کی تھی تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ آپ کے لئے خوشخبری ہو اور آپ کے مضطرب دل قرار پائیں ورنہ مدد تو ہر حال میں اللہ ہی کی طرف سے ہے بلاشبہ وہ سب پہ غالب آنے والا اور اپنے تمام کاموں کی حکمت رکھنے والا ہے۔

جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے چھا جانے والی غنودگی آپ پر طاری کر دی تھی کہ یہ اس کی طرف سے آپ کے لئے تسکین و بے خوفی کا سامان تھا اور آسمان سے آپ پر پانی برسا دیا تھا کہ آپ کو پاک و صاف ہونے کا موقعہ دے دے اور آپ سے شیطان کے وسوسوں کی ناپاکی دور فرما دے نیز آپ کے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے اور ریتیلے میدانوں میں قدم جما دے" (سورۂ الانفال)

جنگ شروع ہونے سے پہلے حاصلِ کائنات حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اگر آج یہ چند ہستیاں مٹ گئیں تو روئے زمین پر تیرا نام لینے والا نہیں ملے گا تو اپنے فضل و کرم سے ان پر رحم فرما اور ان کو فتح و کامرانی نصیب فرما دعائے رسول کو رحمت باری نے گلے لگالیا اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین، بے خوفی، فتح و نصرت کا سامان فرمانے لگی سب سے پہلے مژدہ سنایا کہ فتح یقیناً تمہاری ہو گی پھر فرشتوں سے مدد فرمانے کا اعلان فرمایا جس کے پس پردہ نصرت الٰہی ہی تھی پھر غنودگی طاری فرمادی غور فرمائیں جنگ کا میدان ہے قوی دشمن سے مقابلہ ہے اپنے ساز و سامان کی بے مائگی نظروں کے سامنے ہے گویا موت سر پر کھڑی ہے لیکن نیند طاری ہو جاتی ہے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تھکے ہوئے

جسم جب نیند کے مزے لوٹ کر بیدار ہوتے ہیں تو وہ کتنی تازگی محسوس کرتے ہیں پھر ریگستان کی گرمی ریتلی زمین پر قدم دھنس جاتے ہیں ایسی حالت میں بارش کا ہو جانا پانی میسر آجانے کے علاوہ زمین میں جو پختگی پیدا کر کے اسے بہتر میدان بنا دیتا ہے اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے یہ سب سامان پردۂ غیب سے ظہور ہوئے تھے جو مؤرخ نہیں دیکھ سکتا یہ سامان پیدا فرما کر اللہ والوں کے دلوں کو تقویت بخشی گئی تو وہ وقت بھی آگیا جب حق و باطل نبرد آزما ہوئے تلواریں چلنے لگیں، سر کٹنے لگے خون کی ندیاں بہنے لگیں یہ وہ جنگ تھی جس میں باپ بیٹے سے بر سرِ پیکار تھا، بھائی بھائی سے لڑ رہا تھا ایک حق کی خاطر، دوسرا باطل کی حمایت میں، ایک اللہ کی جماعت تھی دوسری شیطان کی اللہ کی جماعت فتح اور کامرانی سے ہمکنار ہوئی لیکن شیطان نے اپنے فدائیوں سے کیا سلوک کیا ارشاد ہے :-

"اور جب ایسا ہوا کہ شیطان نے ان کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما کر کے دکھا دیئے تھے اور کہا تھا کہ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں مگر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں مجھے وہ بات دکھائی دے رہی ہے جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔" (سورۂ الانفال)

اللہ تعالیٰ کا کلام حق شاہد ہے اور تاریخ کے واقعات اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ شیطان نے ہمیشہ یہی کیا جو جنگ بدر میں کیا تھا لیکن نادان انسان شیطان کی خوشنمائی میں آہی جاتا ہے کفار کی شکست فاش کا راز بھی قرآن مجید سے سنیئے :-

"انہوں نے (کفار نے) اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور

جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ (پاداشِ عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے۔"

(سورۂ الانفال)

یہی معرکۂ حق و باطل ہر دور میں رہا ہے اور آج بھی ہے ؎

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!

باطل طرح طرح کے بھیس بدلتا ہے کبھی نمرود و فرعون کی شکل میں مسلط ہوتا ہے کبھی ہوا و حرص کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے، کبھی مصلحت بینی کا جال پھینکتا ہے کبھی افراطِ زر کے چکر میں مبتلا کرتا ہے اور کبھی بُتِ پندار کا پُجاری بنا دیتا ہے، لیکن حق اپنی روایتی سادگی اور فطری جاذبیت کے ساتھ نوعِ انسانی کو دعوت دیتا ہے اور اپنے پرستاروں کو فتح و کامرانی کی بشارت دیتا ہے۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمین تو زبوں کارِ حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ کیوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

جنگِ بدر کے معرکۂ اوّلین کے بعد فتح و نصرت کی بارش شروع ہو جاتی ہے چنانچہ دنیا والے حیرت و استعجاب کا مجسمہ بن کر دیکھتے ہیں کہ آٹھ سال کی قلیل مدت میں تین سو تیرہ نفوسِ قدسیہ کی اللہ کی جماعت لاکھوں کی تعداد کو پہنچتی ہے اور اپنے گھروں سے نکالے ہوئے بے سر و سامان اصحاب پورے عرب کے مالک بنا دیئے جاتے ہیں ان کے دشمنوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے جو بھی ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے اسے خس و خاشاک کی طرح اڑا دیا جاتا ہے ان عاشقانِ حق کو اپنی جولانیاں دکھانے کے لیئے یہ زمین تنگ نظر آتی ہے اور دنیا کی وسیع آبادی میں ان کا نعرۂ مستانہ گونجتا ہے قیصر اور

کسریٰ کے تاج و تخت ان کے قدموں سے پامال ہوتے ہیں ان کا لوہا ہر لوہے کو کاٹتا ہے اور باطل کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکتا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

"محمد رسول اللہ اور جو ان کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں، سجود میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان ہیں یہ مثال ہے ان کی تورات میں اور انجیل میں جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہوا اپنے نال پر خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تاکہ جلا دے ان سے جی کافروں کا وعدہ دیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا۔" (سورۂ الفتح)

اس آیتِ مقدسہ میں مسلمان کی پوری زندگی سعی و عمل اس کے اجرِ عظیم کا ذکر ہے لیکن معیار کی اولین شرط پر غور فرمائیں زور آور کافروں پر اور نرم دل آپس میں آگے چلنا تو مشکل ہے یہی دو شرائط مسلمانوں میں تلاش فرمایئے تو نہایت مایوسی ہوگی، مسلمان کو مسلمان کا بھائی کہا گیا ہے کیا کوئی بھائی کسی بھائی کا گلا کاٹ سکتا ہے یہی نہیں بلکہ رحم دِل بھائی ہونا بھی ضروری ہے کاش آج کا مسلمان اس اٹل حقیقت کو پا سکے اور پھر دیکھے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اصحابِ رسول کو عزت اور فضیلت اس وجہ سے ملی تھی کہ وہ مجسم قرآن تھے

وُہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر! (اقبال)

عاشقانِ رسول نے جس طرح بھائی بھائی ہونے کا عملی ثبوت دیا اس کی پہلی مثال مدینہ طیبہ میں ہجرت کے وقت پیش کی جس کی نظیر تاریخ انسانی میں ملنی محال بلکہ ناممکن ہے اس ثبوت کی بے شمار کڑیوں میں ایک یوں ہے کہ ایک جنگ میں زخمیوں کو

پانی پلایا جارہا تھا ایک زخمی نے پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر پیالہ پکڑا ہی تھا کہ ساتھ والے نے پانی مانگا پہلے نے پیالہ بغیر پانی پیئے آگے بڑھا دیا دوسرے نے پانی پیا نہ تھا کہ تیسرے کی آواز آئی پانی، پیالہ آگے چلا گیا یہاں تک کہ آخری کے پاس جب پہنچا تو وہ نیک روح جنت الفردوس کو پرواز کر چکی تھی ساقی واپس لوٹا لیکن پانی کسی کو نہ پلا سکا تمام کے تمام عاشقانِ حق اور آپس میں بھائی بھائی زخموں سے چُور خشک زبان لیئے ہوئے جنت کو پرواز کر چکے تھے اور وہاں آبِ کوثر سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔

سوچیئے کہ ایسا کیوں تھا کیا ان بزرگوں کو اپنی جان عزیز نہ تھی کیا ان کی بشریت کے تقاضے نہ تھے، کیا ان کے عزیز و اقارب نہ تھے ضرور تھے لیکن وہ سب اس یقینِ محکم کے تحت آ گئے تھے کہ اللہ سب کا حاکمِ اعلیٰ ہے جس کا فرمان حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے پہنچ چکا ہے جس کی صداقت لاریب ہے اور یہ احکامِ خداوندی اطاعت کے واسطے ہیں، عمل کے واسطے ہیں نہ کہ قسمیں کھانے کے لیئے یا جان نہ نکلتی ہو تو سرہانے بیٹھ کر پڑھنے کے لیئے، اسی یقینِ محکم سے ان عاشقانِ حق نے وُہ وُہ نقوش صفحۂ ہستی پر ثبت کیئے جن کی چمک آج بھی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور کرتی رہے گی اللہ تعالیٰ پر یقینِ محکم اللہ تعالیٰ اور رسول پاک کے احکام پر مکمل عمل آپس میں محبت واخوت یہی چیزیں تھیں جو اِن رشکِ نوریوں کا اثاثہ تھیں اور ان ہی کی وجہ سے ان اصحاب کی یہ حالت تھی جس کی جھلک حضرت اقبال نے یوں بیان فرمائی ہے:۔

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا!
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو !

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی !

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا !

خبر میں ، نظر میں ، اذانِ سحر میں !

آج کا انسان اور خاص طور سے مسلمان طرح طرح کے مصائب کا شکار ہے مسلمان مسلمان کا بھائی نہیں رہا بلکہ شکاری بن گیا ایک مسلمان دوسرے کو لوٹنے کے لیئے طرح طرح کی کاروائیاں کر رہا ہے۔ رشوت، چوربازاری، سودخواری، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی، جُوا، زنا، چوری اور نہ جانے کیا کیا جرائم ہیں جن کی بنیاد لالچ، حرص، طمع اور کثرت کی چاہ پر ہے ہزاروں کا مالک لاکھوں کے چکر میں مبتلا ہے، لاکھوں والا کروڑوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور کروڑوں والا پدموں کی چاہ میں کتے کی طرح پاگل ہو رہا ہے آخر یہ سب کیوں ہے جس نے نوعِ انسانی کی زندگی اجیرن کر دی ہے جواب صرف اور صرف ایک ہے اللہ تعالیٰ سے دوری، اس پر بے یقینی اور بتِ پندار کی بندگی کیا ستم ہے آج کا انسان ہر قانون کو مانتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے قانون کو نہیں مانتا، ہر ایرے غیرے کی بات سُنتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی بات نہیں سُنتا، ہر کتاب پڑھتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی کتاب نہیں پڑھتا، ہر حاکم کو مانتا ہے لیکن حاکمِ اعلیٰ کو نہیں مانتا، ہر عدالت پر یقین رکھتا ہے لیکن خدا کی عدالت سے نہیں ڈرتا، ہر ایک سے شرم کرتا ہے لیکن خدا سے شرم نہیں کرتا ساری دنیا سے ڈرتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے سایہ سے بھی ڈرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، ہر در کا سوالی ہے لیکن بارگاہِ عالی پہ دستِ سوال دراز نہیں کرتا، ہر چھوٹے بڑے صاحبِ اختیار سے دوستی کی تمنا رکھتا ہے

لیکن خدا کا دوست بننے کا کبھی نہیں سوچتا یہ ایسی افسوسناک باتیں ہیں جو ہر درد مند دِل کو تڑپا دیتی ہیں یہ ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں قرآن مجید ایسی بربادی پر متوجہ فرماتا ہے :۔

"غفلت میں رکھا تم کو کثرت کی حرص نے یہاں تک قبروں میں پہنچ گئے پھر جان لوگے ، پھر آگے جان لوگے علم الیقین سے جان لوگے بیشک تم کو دیکھنا ہے دوزخ پھر تم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرو گے پھر ہم تم سے پوچھیں گے کہ آرام کی حقیقت کیا ہے ۔"

(سورۃ التکاثر)

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے ! (اقبال)

باب پنجم

بارگاہِ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم

عظمت ہے خاص پاک مدینے کی خاک کو
خورشید بھی گیا تو وہاں سر کے بل گیا

(اقبالؒ)

دُعائے خلیل

وحی سے پہلی زندگی

نبوّت کی حقیقت

سیّد المُرسلین

تسکینِ رُسول

معراجِ مُصطفیٰ

مقامِ محمود

اطاعتِ رُسول

فتراکِ رُسول

بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

دُعائے خلیل علیہ السّلام

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا :-

"اور جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام اُٹھانے لگے بنیادیں اس گھر کی (کعبۃ اللہ) تو فرمایا اے اللہ قبول فرما ہم سے تو ہی اصل سُنتا اور جانتا ہے اے رب ہمارے ہم کو اپنا حکم بردار بنا اور ہماری اولاد میں بھی ایک امت حکم بردار بنا اور سکھا ہم کو دستور حج کے اور معاف فرما ہم کو بیشک تو معاف فرمانے والا رحیم ہے اے ہمارے رب اُٹھا ان میں ایک رسول انہی کا جو پڑھے ان پر تیری آیات اور سکھائے ان کو کتاب وحکمت اور ان کو سنوارے تو ہی دراصل زبردست حکمت والا ہے۔"

(سورۃ البقرہ)

دُعا فرمانے والے اللہ تعالیٰ کے دو جلیل القدر اور عظیم المرتبت رسول ہیں ایک باپ دوسرا بیٹا دونوں جمالِ خداوندی کے پروانے اپنا تن، من اور دھن تک محبت پر قربان فرمانے والے چشم فلک نے جہاں طاغوتی طاقتوں کی ہنگامہ آرائی دیکھی وہاں عاشقانِ حق کی وہ سرمستیاں اور سرفروشیاں بھی دیکھیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان جانبازوں کی فریفتگی پر عش عش کر اُٹھا فرمانِ باری تعالیٰ پر سب کچھ لٹا دینے والے سعادت مند و خوش نصیب پروانوں کے امام حضرت ابراہیم علیہ السّلام خلیل ہیں وہ عظیم المرتبت رسول جن کی اولاد سے بیشمار رسول مبعوث

ہوئے حضور کے دونوں فرزند ارجمند حضرت اسحاق علیہ السّلام اور حضرت اسماعیل (علیہ السّلام) رسول آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام رسول، آپ کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السّلام رسول، آپ کے پڑپوتے حضرت یوسف علیہ السّلام رسول اور اسی طرح آپ کی اولاد میں بے شمار رسول آپ کے دین کی تلقین فرماتے رہے۔ اتنی عظیم ذات جنہوں نے نار نمرود میں نہایت سکون و اطمینان سے چھلانگ لگا دی تھی اور آپ کے خالق کو فرمانا پڑا تھا:۔

"اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور حضرت ابراہیم کی سلامتی بن جا"، وہ جنہوں نے رب کریم کی خاطر گھر بار، عزیز و اقارب، دوست احباب غرضیکہ دنیا کے سارے رشتے توڑ دیئے لیکن اپنے رب سے رشتہ استوار فرمایا، وہ جنہوں نے اپنی عزیز رفیقہ حیات اور معصوم لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو عرب کے لق و دق صحرا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تن تنہا چھوڑ دیا، وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے گلے پر چھُری رکھ کر تمام کائنات پر لرزہ طاری کر دیا تھا، وہ جنہوں نے اپنے اللہ کے حکم سے کعبۃ اللہ کی پاک و مقدس عمارت کی بنیادیں اٹھائی تھیں وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنانے کا اعلان فرما دیا تھا:۔

"اور بنایا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو یار (خلیل) (سورۂ النساء)

اللہ تعالیٰ کا اتنا عظیم المرتبت رسول اور خلیل اپنے اللہ سے دعا گو ہیں اور آمین فرمانے والے آپ کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السّلام ہیں جنہوں جب سُنا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی جان کی قربانی کی ضرورت ہے تو بلا حیل و حجت گردن چھُری کے کے نیچے رکھ دی باری تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ہم نے قربانی قبول فرمالی اور حضرت اسماعیل کا ایک بال تک نہ کٹنے دیا ایسی شان کا فرزند اور رسول باپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوالی ہے عرض کی جا رہی ہے اے ہمارے رب اُٹھا اہلِ عرب میں سے ایک رسول جو پڑھے ان پر تیری آیات اور سکھائے ان کو کتاب و حکمت اور ان کو سنوارے

(تزکیہ کرے) اللہ اللہ عاشقوں کی شان ہی نرالی ہے ان کی چاہت عام انسانوں کی چاہت سے بالکل ہٹی ہوئی ہے دنیاوی جاہ و جلال، تخت و سلطنت، دولت و ثروت کی تمنا نہیں بلکہ تمنا ہے تو صرف ایک کہ اللہ تعالیٰ کا نام بلند رہے اور مخلوقِ خدا اللہ تعالیٰ کی جماعت قائم رہے۔

وُہ ذاتِ کریم جو ہر پکارنے والی پکار کو سُنتا ہے اور رب رحیم جو ہر مانگنے والے کو دیتا ہے وہ قادرِ مطلق جس کا ارشاد ہے اللہ ہی غنی ہے باقی ہر کوئی فقیر ہے، اللہ تعالیٰ ہی شہنشاہ ہے باقی ہر کوئی محتاج ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ وہ بارگاہِ عالی ہے جس سے کوئی سوالی خالی ہاتھ کبھی نہیں لوٹا ایسے بے مثال داتا ایسے قادرِ کریم، ایسے رب رحیم سے آج اس کے دو پیروانے ایک رسول مانگ رہے تھے۔ جو اسی کا نام بلند فرمائے ناممکن تھا کہ یہ دعا قبول نہ ہوتی حرف بحرف پوری ہوئی لیکن دُعا اتنی عظیم تھی اور مانگنے والوں کا مرتبہ و شان اتنا بلند کہ ان کے شایانِ شان عطا کو پورے چار ہزار سال گذر گئے آخر کار وہ حاصل کائنات سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین کا تاج پہنے تشریف لائے صلی اللہ علیہ وسلم ؎

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی!

شانِ اقدس میں جو آیات ہیں وہ بعینہٖ حضرت خلیل علیہ السلام اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی دُعا ہیں ارشاد ہے:۔

"وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے ان پڑھوں میں سے ایک رسول اٹھایا پڑھتا ہے ان کے پاس اس کی آیات اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب و حکمت اور اس سے پہلے تم صریح گمراہی میں تھے۔"

(سورۂ الجمعہ)

"اے لوگو بھیجا ہم نے رسول تم میں سے پڑھتا ہے تمہارے پاس ہماری

آیات اور تم کو سنوارتا ہے اور سکھاتا ہے تم کو کتاب و حکمت اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔

(سورۂ بقرہ)

معلوم ہوا کہ حضور کی پیدائش عام انسانوں والی نہ تھی بلکہ آپ کا تشریف لانا مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان تھا اور آپ کی تشریف آوری کی بشارت کم و بیش ہر نبی نے دی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کارکنانِ قدرت کا دستِ غیب ہزاروں سال سے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک کے سامان کرتا رہا کہاں ایک عام بچہ اور کہاں وُہ ذاتِ مبارک جو اللہ کا مومنوں پر احسان تھی، کہاں بے منت پیدا ہونے والے اور کہاں وہ عظیم ترین ہستی جن کے لئے اللہ تعالیٰ کے دو جانباز عاشقوں، رسولوں اور دوستوں نے کعبہ میں کھڑے ہو کر عجز و انکسار سے دعا فرمائی تھی کہاں ایک عام بچہ جو اپنی ہدایت کا محتاج ہوتا ہے اور کہاں وُہ پاک و مقدس ذات جو نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئی ہدایت ہی نہیں بلکہ نوعِ انسانی کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دی، ان کا تزکیۂ نفس فرمایا کہاں ایک عام ابنِ آدم اور کہاں وُہ حاصلِ کائنات جن کی اطاعت، جن کا ادب و احترام، جن کی محبت، جن کا عشق جن کے در پر ناصیہ فرسائی سے کونین کی دولتیں ملتی ہیں کہاں ایک عام بچہ اور کہاں وہ محبوبِ خدا جن کی اطاعت میں سر کٹوا دینا ابدی زندگی بخشتا ہے، کہاں ایک عام انسان جو خواہ کتنا ہی صاحبِ اختیار کیوں نہ ہو اس کی حکم عدولی زیادہ سے زیادہ جسم و جان کا تعلق کاٹ سکتی ہے اور کہاں یہ دعائے خلیل جن کی حکم عدُولی دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کا ایندھن بنا دیتی ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی مؤمن اور عشقِ رسول سے سرمست آپ کی پیدائش مبارک کو ایک عام انسانی بچہ کی پیدائش سمجھے اور اگر سمجھتا ہے تو۔ ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

اسی آیت مقدسہ میں رسول کا مقام بھی قابلِ غور ہے آج کل کے مادی دور نے

رسول کو لیڈر کہنا بھی شروع کر دیا ہے جو کسی صورت جائز نہیں حضور علیہ السلام کا کام صرف قرآن مجید پہنچانا نہیں تھا بلکہ حکمت سکھانا، سنوارنا اور تزکیۂ نفس بھی تھا یہ مقام کوئی لیڈر نہیں لے سکتا بلکہ یہ سید المرسلین کا کام ہے جن کی شان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "رسول کی آواز پر لبیک کہو تاکہ تمہیں زندہ کر دے کیونکہ کفر کی زندگی موت ہے اور ایمان کی زندگی زندگی ہے"

حمد بے حد مر رسولِ پاک را
آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

ترجمہ: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد تعریف جن کی بدولت مشتِ خاک دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئی"

وحی سے پہلی زندگی

ارشاد ربانی ہے:-

۱۔ "قسم ہے روشنی کی اور رات کی جب چھا جائے آپ کے رب نے نہ چھوڑا آپ کو، نہ بیزار ہوا اور آپ کی آخرت آپ کی پہلی زندگی سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ آپ کو وہ عنایت فرما دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ کیا آپ یتیم نہ تھے پھر آپ کو جگہ دی اور آپ کو وارفتہ پایا پھر راہ دکھائی، آپ کو مفلس پایا غنی فرما دیا" (سورۂ والضحیٰ)

۲۔ "کیا ہم نے نہیں کھولا سینہ آپ کا اور ہلکا کیا بوجھ آپ کا جس سے آپ کی پیٹھ دوہری ہو رہی تھی اور بلند کیا ذکر آپ کا" (سورۂ التین)

۳۔ "پھر دیکھو (کفار سے حضور کا خطاب) یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملے سے پہلے (یعنی اعلانِ رسالت سے پہلے) تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اپنے جی سے جھوٹ بنا کر اللہ تعالیٰ پر

افترا باندھے اور اس آدمی سے جو اللہ تعالیٰ کی سچی آیتیں جھٹلائے یقیناً جرم کرنے والے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔" (سورۂ یونس)

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از وحی حیاتِ طیبہ پر واضح اشارات ہیں ایک طائرانہ نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ حضور علیہ السلام کے دنیا میں تشریف فرما ہونے سے پہلے والد بزرگوار دنیا سے چل بسے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے دادا حضرت عبدالمطلب کے دل کو شفقت و محبت سے بھر دیا ظہورِ قدسی کے چھ برس گذرے تو والدہ ماجدہ دنیا سے چل بسیں دو سال بعد حضرت عبدالمطلب بھی داغِ مفارقت دے گئے اور یہ سعادت کبریٰ حضور کے چچا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد حضرت ابو طالب کے حصہ میں آئی یہ بجا ہے کہ والد کی شفقت، والدہ کی محبت بے بہا دولت ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جس شفقت و محبت سے حضور علیہ السلام کی پرورش آپ کے چچا حضرت ابو طالب نے فرمائی اس نے سارے غم غلط کر دیئے جب حضور علیہ السلام نے اعلانِ رسالت فرمایا اور کفار کے خود تراشیدہ خداؤں پر نبوت کی پے در پے ضربیں پڑنے لگیں تو چند سرکردہ قریش حضرت ابو طالب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ کے بھتیجا کے ہاتھوں سخت نالاں ہیں انہوں نے ہمارے خداؤں کی عزت خاک میں ملا دی ہے، ہمارے آباؤ اجداد کے مذہب کی دھجیاں اڑ رہی ہیں ہم یہ ذلت و رسوائی برداشت نہیں کر سکتے لیکن آپ کا لحاظ ہے جو کچھ کرنے نہیں دیتا آج ہم یہ گذارش لے کر آئے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ اپنی راہ سے باز آجائے اور ہم اس کے عوض وعدہ کرتے ہیں کہ اگر؛

۱۔ آپ کو سرداری کی چاہت ہے تو ہم آپ کو سردار بنانے کو تیار ہیں

۲۔ آپ کو مال و دولت کی تمنا ہے تو دولت کا ڈھیر قدموں میں لگانے کو تیار ہیں

۳۔ اگر کسی حسینہ کے عاشق ہیں تو عرب کی جس دوشیزہ پر ہاتھ رکھیں وہی خدمت میں حاضر کر دی جائے گی اور اگر ان میں کوئی شرط منظور نہیں تو ہم جو چاہیں گے

کریں گے۔

ان کو گرفتار کرنے کے لئے اس سے بہتر جال ممکن نہیں۔

سیدالمرسلین تشریف لائے تو مہربان چچا نے کفار کی بات عرض کر دی جس کو سُن کر قلبِ اطہر درد سے بھر آیا اور آپ نے فرمایا کہ چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی رکھ دیں تو میں اپنی راہ کو نہیں چھوڑ سکتا یہ اللہ کا حکم ہے اور میں اس کا رسول ہوں جس کی شان سے یہ لوگ غافل ہیں باقی رہی آپ کی رفاقت تو آپ کو اختیار ہے جو چاہیں وہی راہ اختیار کریں۔ شفیق چچا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سُنا تو فرمایا کہ عزیزِ من جو آپ کی خواہش ہے کریں آپ کا چچا آپ کو نہیں چھوڑے گا خواہ کچھ ہو جائے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضور کے ساتھ جب تین سال بائیکاٹ کیا گیا تو چچا حضرت ابوطالب سید عالم علیہ السّلام کے دوش بدوش ساری مصیبتوں اور کلفتوں میں شریک تھے یہاں تک کہ جس جگہ آپ کا قیام رہا وہ جگہ ہی شعبِ ابی طالب کہلائی۔

یہاں ایک نہایت اہم سوال اٹھتا ہے کہ وہ کیا درد تھا اور کیا لگن تھی جس کے حضرت ابوطالب یوں شیدا تھے کہ سارے رؤسائے مکہ کو ٹھکرا دیا اور نبی کریم کا دامن نہ چھوڑا حالانکہ یہ واضح تھا کہ آپ کی رفاقت کا اعلان کانٹوں کا بچھونا ہے اور دوسری طرف عیش و آرام ہے آخر ابولہب بھی تو حضور کا چچا ہی تھا جو دشمنی میں سب سے آگے آگے تھا دِل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ فرمایئے کہ کیا ہم بھی حضرت ابوطالب کی راہ اختیار کر سکتے ہیں جب زندگی، عزت و ناموس داؤ پر لگ رہی ہو اور اس کامل اطمینان سے حق کی حمایت کا اعلان کریں کیا آج کروڑوں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان بھی ایسا سر پھرا نکل سکتا ہے جو یہ کہہ دے کہ ہر چہ بادا باد میں میں حضور کی پیروی کروں گا مجھے یقین ہے اور شاید قارئین بھی مجھ سے متفق ہوں کہ عبادات بے ذوق کے معاملات میں تو کروڑوں مسلمان نعرے لگاتے ہوئے اکٹھے ہو جائیں گے لیکن جب مال و جان کی قربانی کا وقت آئے گا تو شاید ہی کوئی

نظر آئے۔ آہ! آج کا مسلمان سود خوار ہے، شراب فروش و شراب نوش ہے تو مسلمان، جواری مسلمان، چور مسلمان، جھوٹا اور فریبی مسلمان، مسلمان کا قاتل مسلمان حرص و ہوا کا بندہ مسلمان، مال و دولت کا پجاری مسلمان، فواحش کا شیدا مسلمان کاش ہمارے دل کی آنکھیں کھل جائیں اور اپنے آپ کو دیکھ کر شرم و ندامت سے ڈوب مریں یا اور نہیں تو مسلمان کے نام کو تو رسوا نہ کریں بارِ الٰہا ؎

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں !

ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں ! (اقبالؒ)

اب اس حصۂ آیت پر نظر ڈالیئے جہاں ارشاد ہے آپ کو مفلس پایا غنی فرما دیا حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی دولت و امارت سے کون ناواقف ہے آپ کی تجارت دور دراز ممالک سے تھی اور بے شمار نوکر چاکر تھے خاندانی شرافت کے علاوہ مال و دولت کی اس فراوانی سے حضرت سیدہ کا مکہ معظمہ میں بہت بلند مقام تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت سیدہ نے آپ کو ایک تجارتی قافلہ کا نگران بنا کر ممالکِ غیر میں روانہ فرمایا خدا کی شان اور حضور علیہ السلام کی عظمتِ کردار کہ اس دفعہ قافلہ غیر معمولی منافع لایا اہلِ قافلہ نے حضور علیہ السلام کی شانِ اقدس اور غیر معمولی اخلاقی خوبیوں کی تعریف جب حضرت سیدہ سے کی تو اس مخصوص عزت و مرتبت اور شرافت و فضیلت کی مالکہ نے حضور علیہ السلام کی ذاتِ گرامی میں گوہرِ مقصود کو پالیا اور آپ کی رفیقۂ حیات بن کر ام المؤمنین کا وہ عظیم المرتبت مقام پایا جو انسانی عروج کی معراج ہے حضرت سیدہ نے حضور علیہ السلام کے قلبِ مضطر کی تسکین و آرام کے لئے مال و جان کی وہ وہ قربانیاں پیش فرمائیں کہ رحمۃ للعالمین نے کبھی اس اولین مسلم خاتون کے احسانوں کو نہ بھلایا یہ سب انتظام قدرت کا دستِ غیب سے انجام دے رہا تھا جس کو ظاہر بین آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سید المرسلین کے اشاروں پر دنیا کی سلطنتیں قربان ہونے لگیں۔

یاد رکھیئے کہ انبیائے کرام اللہ تبارک وتعالیٰ کی منتخب ہستیاں ہوتی ہیں ان کے ذمے مخلوقِ خدا کی ہدایت اور تزکیۂ نفس کا مشکل ترین کام ہوتا ہے اس عظیم ذمہ داری کے پیشِ نظر یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی تربیت کا انتظام روزِ اول سے ہی کیا نہ جاتا ہو ملاحظہ ہو ارشادِ ربّانی :-

۱۔ "اور جب فرمایا عیسیٰ بن مریم نے اے بنی اسرائیل میں آپ کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تورات اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد تشریف لانے والے ہیں ان کا اسم گرامی ہے "احمد"۔ (سورۃ الصف)

۲۔ "اور ہم نے موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ پر وحی نازل فرمائی کہ ان کو دودھ پلائیں اور پھر جب خوف ہو اس کا تو ڈال دیں ان کو دریا میں اور ڈرنا نہیں، نہ ہی غم کھانا بے شک ہم پہنچا دیں گے ان کو تیرے پاس اور کریں گے ان کو اپنے رسولوں میں سے۔" (سورۃ القصص)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام نے چار ہزار سال پہلے دُعا فرمائی تھی جس کی قبولیت اٹل تھی۔ حضور علیہ السّلام کی تشریف آوری سے پانچ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اعلان فرمادیا کہ دعائے خلیل کی قبولیت کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے کائنات کا ذرہ ذرہ ظہورِ قدسی کا منتظر اور چشم براہ تھا۔ دوسری آیت یہ واضح فرما رہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو نبوت کے مقامِ عالی پر سرفراز فرما کر اس دنیا میں پیدا فرمایا گیا تھا اگرچہ نبوت کی عطا خاص ایک مدت کے بعد ہونی تھی اور ممکن نہ تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس فیصلہ اور نظام میں مخل ہو سکے قدرت کے اس دستِ غیب کی کرشمہ سازیوں کا اندازہ لگانے کے لئے قارئین حضرت یوسف علیہ السّلام اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت خضر علیہ السّلام کے واقعات یاد کریں جو میں بیان کر چکا ہوں۔

چنانچہ یہی پوشیدہ سامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے لئے بھی پیدا

فرمائیے دُنیا کے علماء اور حکماء یہ فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ بچے کے اخلاق و عادات معاشرہ اور تعلیم کے مرہونِ منت ہوتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ گناہوں کی بستی میں ایک مقدس ہستی سارے معاشرے کو ٹھکرا کر اپنی الگ راہ تعین فرماتی ہے یہ وُہ ذاتِ اقدس ہے جنہوں نے کسی دنیاوی ادارہ سے تعلیم نہیں پائی اور علم و خلاق کا ایک حرف بھی کسی سے نہیں پڑھا صفحاتِ تاریخ اس امر کی بھی شہادت دیتے ہیں کہ جوانی کا خطرناک زمانہ جسے دیوانی کہا جاتا ہے اس ذاتِ پاک کی بے داغ زندگی پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوتا ۲۵ سال کی عمر میں حضرت سیّدہ خدیجہ سے شادی فرماتے ہیں مال و دولت کے وارث بنتے ہیں یہ عظیم ہستی دنیا کی کسی عیاشی کی طرف مائل نہیں ہوتی جس میں ساری قوم گرفتار تھی ہماری عقل اس فیصلہ کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس اور معاشرہ میں عزت کا مقام حاصل کرنے کے لئے اس کے رنگ میں رنگا جانا نہایت ضروری ہے یہ فیصلہ آج بھی اپنی جگہ محفوظ ہے اور بُت پندار کے پُجاری اپنی ہر خامی کو معاشرہ کے سر تھوپ دیتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس ظلم و تاریکی کے گھناؤنے دور میں بھی عزت ملتی ہے تو اسی ذاتِ کریم کو جن کا معاشرہ سے کوئی تعلق نہیں مکہ کی بھری آبادی میں امین کا ممتاز خطاب بھی اسی ذاتِ اقدس کے حصہ میں آتا ہے جو خالقِ کائنات کے امین تھے آپ کے عدل و انصاف پر اعتماد کا یہ حال تھا کہ جب حجرِ اسود کے معاملہ میں قبائلِ قریش کچھ فیصلہ نہ کر سکے اور قریب تھا کہ تلواریں نیام سے نکل آئیں تو سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سارے مُعاملے کو اس حُسن و خوبی سے سرانجام دیا کہ ہر ایک نے آپ کی عظمت کے آگے سر جُھکا دیا۔

وُہ چادر کا بچھانا اس پہ رکھنا سنگِ اسوَد کو
یہ زندہ معجزہ قبلِ نبوت تھا محمد کو
یہ وقت وُہ تھا کہ شیطان کی فرمانروائی کے جھنڈے ہر طرف لہرا رہے تھے

قتل وغارت، ظلم واستبداد، بُت پرستی، نفس پرستی اور اَن گنت گناہوں کا ایک نہ رکنے والا طوفان تھا ایسے وقت میں زندگی کے پورے چالیس سال بے داغ گذار دینا ممکن نہیں تھا لیکن وہی دستِ غیب آپ کی تربیت فرما رہا تھا جس نے ہمیشہ اپنی کارفرمائیوں سے دنیا والوں کی نظروں کو خیرہ کیا ہے حضور علیہ السلام کی اسی بے داغ زندگی کو قرآنِ مجید اپنی صداقت پر گواہ ٹھہرایا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے میں چالیس سال تم لوگوں میں گذار چکا ہوں اس تمام زندگی میں میرے عادات وخصائل تمہاری آنکھوں کے سامنے رہے ہیں تم ہی بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی ہے پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ بندوں کے معاملہ میں جھوٹ بولوں، بد دیانتی کروں تو یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ پر بہتان کے لئے تیار ہو جاؤں کیا اتنی موٹی بات بھی تمہاری عقل نہیں سمجھ سکتی۔

یہ ماننا پڑتا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از وحی حیاتِ اقدس بذاتِ خود ایک معجزہ ہے جس کی صداقت ایک بڑی صداقت پر دلیل لائی گئی ہے اور جو اخلاقِ عظیم سے اتنی روشن ہے کہ ظلمت وتاریکی میں غرق قوم کا بچہ بچہ اس کی تابانی پر شاہد ہے۔ جس کا ثبوت قوم نے اعلانِ نبوت کے وقت دیا جب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ فاراں پر قوم کو مخاطب فرمایا اور پوچھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف ایک دشمن کی بھاری فوج جمع ہے اور وہ تم پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو کیا تم یقین کر لوگے ساری قوم یک زبان ہو کر بولی کہ ہم ضرور یقین کریں گے کیونکہ آپ نے ساری عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا اور ہم سب آپ کی صداقت کے گواہ ہیں آہ! انسان کی بدبختی اعلانِ حق سنتے ہی اُلٹے قدم بھاگ کھڑے ہوئے ٹھیک اسی طرح جس طرح ہم کہتے ہیں کہ اسلام سچا، قرآن سچا، اس کے احکام سچے، رسول سچا، خدا قادرِ مطلق، قیامت برحق،

سزا و جزا لاریب، لیکن ان صداقتوں کا اقرار کرنے کے باوجود ہم عمل کسی پر نہیں کرتے اور اپنی اپنی عقل کو امامِ راہ بنا لیتے ہیں۔

کرمکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

وحی کے بعد

نبوت کی حقیقت

قارئین کرام پر یہ حقیقت کھل چکی ہوگی کہ نبوت کا مقام اتنا بلند ہے جو محض فضل ربی سے حاصل ہوتا ہے اور ایک عام انسان کی کوئی عبادت، کوئی قربانی، کوئی تقویٰ اسے اس افضل ترین مقام پر فائز نہیں کر سکتا بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ انسان کو ابدی زندگی اور دائمی راحت و سکون نصیب ہی تب ہوتا ہے جب نبی کی اطاعت میں جان و مال کی قربانی پیش کرے انبیاء کرام کے مقام کا واضح اشارہ ہمیں حضور علیہ السلام کے اس اوّلین اعلان سے ملتا ہے جو کوہِ فاران پر آپ نے فرمایا تھا جب اہلِ مکہ حضور علیہ السلام کے بلانے پر اکٹھے ہوئے تو آپ بلند مقام پر تشریف فرما تھے جہاں سے پہاڑ کی دونوں اطراف نظر آرہی تھیں اور اہلِ مکہ پہاڑی کے دامن میں جہاں سے دوسری طرف دیکھنا ممکن نہ تھا ظاہری صورت یوں پیدا فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑی کے اس طرف دشمن کی بھاری فوج تم پر حملہ کرنے کو تیار کھڑی ہے تو کیا تم یقین کر لو گے جس کے جواب میں اہلِ مکہ نے حضور علیہ السلام کی صداقت اور آپ کے ایک ایسے مقام پر قیام کو مدِ نظر رکھ کر جہاں سے دونوں طرف دیکھا جا سکتا تھا جواب میں عرض کیا تھا کہ ہم ضرور یقین کر لیں گے اس لئے کہ ایک تو آپ کی صداقت لاریب ہے اور دوسرا آپ ایسی جگہ تشریف فرما ہیں جہاں سے دوسری طرف بھی

نظر آرہی ہے جسے ہم نہیں دیکھ سکتے دانائے سُبل کا یہ انداز مقامِ نبوت کے واضح فرق کو نمایاں فرما رہا تھا کہ نبی ہمیشہ ایک ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں سے وُہ دُنیا اور آخرت کا مشاہدہ فرماتا ہے جو عام انسان کو خواہ عظمت کی کتنی ہی بلندی پر پہنچ جائے میسّر نہیں آسکتا نبی کی ذاتِ اقدس اس علیم و خبیر سے فیض حاصل کرتی ہے جس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں نبی کا علم کسی دلیل و حُجت کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہوتی ہے جس کی صداقت سے انکار کرنا کفر ہے اسی حقیقت کو پالینے سے انسان میں عشق کی وہ چنگاری جنم لیتی ہے جو باطل کو خس و خاشاک کی طرح پھونک دیتی ہے یہی وُہ نکتہ ہے جس پر یقینِ محکم راہِ حق میں بڑی سے بڑی قربانی بھی خندہ پیشانی سے پیش کر دیتا ہے اصحابِ رسول نے اس سادہ مگر نہایت اہم نکتہ کو بہت خوبی سے سمجھ لیا تھا اسی لئے ان بزرگ ہستیوں کو دین و دنیا کی ساری عظمتیں نصیب ہوئیں ہم باوجود اپنے دعوائے ہمہ دانی کے ابھی تک ظن و تخمین کے چکر سے آزاد نہیں ہو سکے جس کا نتیجہ ہماری ذلت و رسوائی اور ہمہ گیر قلبی اضطراب کی شکل میں اظہر من الشمس ہے ۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں!
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

عقل کا پجاری کہہ سکتا ہے کہ ہم خود اپنی راہ کیوں متعین نہ کریں جب کہ ہم میں یہ استعداد موجود ہے کہ زندگی کے قوانین وضع کریں اعتراض بجا ہے لیکن ایسے قوانین کا جو حشر ہو گا وہ سب اہلِ دانش خود خوب سمجھتے ہیں آج کا خوب کل ناخوب بن جاتا ہے کسی ایک مسئلہ کو کھڑا کر کے دیکھ لیں رائے کا تضاد اور ان کا وزن اس بات کی دلیل ہو گی کہ انسان اپنے لئے خود حدیں مقرر نہیں کر سکتا کیا ایک کارخانے کا مالک جس نے اپنی دولت اور محنت سے کارخانہ بنایا ہو اور جس کی تعمیر کسی خاص مقصد و مدعا کے لئے ہوئی ہو کبھی کسی کو یہ اختیار

دے گا کہ وہ اپنی مرضی کی راہ اختیار کرے اگرچہ ایسے آدمی کارخانے میں کتنی اہم پوزیشن پر فائز ہوں اور ان کی صلاحیت کی کوئی حد ہی نہ ہو کیا کوئی بھی مِل کا مالک کسی شخص کو اجازت دے گا کہ اس کی مِل کا انتظام ایسے طریقے پر چلائے جو اس کے مقاصد سے ٹکرائے ہم سب کا جواب ہوگا اور بالکل صحیح جواب ہوگا کہ ہرگز نہیں تو پھر یہ کیا ستم ہے کہ ہم کارخانۂ قدرت کا انتظام اس کے مالک کے ہاتھوں چھیننا چاہتے ہیں کیا یہ کھلی بغاوت نہیں کیا ایسے باغی کو کارخانہ میں رہنے کا حق رہتا ہے اور نہ صرف رہنے کا بلکہ اس کارخانہ کی ہر چیز سے مستفیض ہونے کا یہ تو مالک کی مہربانی اور بہت بڑا کرم ہے کہ اس کا فیض عام ایسے باغیوں کو سزا نہیں دیتا سوچنے کا مقام ہے کہ اگر سورج کی روشنی اور گرمی کو روک دیا جائے تو کوئی ہے جو اس کا نعم البدل پیدا کر سکے ہوا کو بند کر دیا جائے تو روئے زمین کی ساری مخلوق ایک جھونکا پیدا نہیں کر سکتی میٹھے پانی کو کھارا کر دیا جائے تو کسی کے بس میں نہیں کہ اسے میٹھا کر سکے زمین سے تخلیقی قوت سلب کر لی جائے تو خوراک کا ذریعہ باقی نہیں رہتا کاش انسان اپنی اس بے کسی پر نظر رکھے اور مالک کے اختیار اسی کے دستِ قدرت میں رہنے دے جو بادشاہی کا سزاوار ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے!

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری (اقبال)

پھر سوچئے کہ انسان جسم و روح کا مرکب ہے جسم کی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن روح کو مختلف نام دیئے جا سکتے ہیں بہر حال اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں جسم کے ساتھ کوئی چیز اور بھی ہے جس کو ہم روح کا نام دیتے ہیں دونوں کو غذا کی ضرورت ہے جسم کی غذا گندم کا دانہ، ٹھنڈا اور شیریں پانی صاف و شفاف ہوا یہ انسان کے جسم کے لئے بنیادی ضرورتیں ہیں جن میں ایک ایک اپنی جگہ نہایت اہم ہے اور

ان کے بغیر انسانی جسم کی بالیدگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا گندم کے دانے کو لیجئے یہ آیا کہاں سے کوئی نہیں جانتا وہی سوال اُٹھے گا کہ پہلے پودا پیدا ہوا کہ بیج عقل کی راہوں میں چل کر ٹھوکریں کھائیے حل کچھ نہ مل سکے گا باطل کے اس تار و پود کو وحی کی ایک ضرب چکنا چور کر دیتی ہے کہ خالق نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس نے حکم دیا کُن ظاہر ہو گیا جو چاہا تھا چلئے کسی طرح آپ کو دانہ مل گیا اب آپ نے یہ کیا کہ زمین کھودی اور اس میں دانہ کو دبا دیا آپ کے پاس کونسی طاقت ہے جس سے زمین کو زرخیزی دیں گے اور پھر اس کی سخت سطح کو نرم کر کے باریک اور نرم و نازک پودے کے لئے راستہ بنائیں گے یقیناً آپ ایسی طاقت سے محروم ہیں کہ آپ ایک دانہ کا راستہ بنا سکیں چہ جائیکہ ان گنت پودوں کا راستہ بنائیں پودا باہر آگیا سورج کی تپش سے جلنے لگا آپ کی آنکھیں بے قرار ہو کر آسمان کی طرف اُٹھ جائیں گی اور بارش طلب کریں گی یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ کی مزدوری اور مشقت ضائع ہو رہی ہو اور آپ کی بے قراری نہ بڑھے آسمان پر کالی کالی بدلیاں چھائیں گی تو آپ کا دل فرطِ انبساط سے پُر امید ہو جائے گا اور جونہی بارش برسنے لگے گی آپ کا دل ایک ایسی لذت سے دوچار ہو گا جو بیان سے باہر ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ سارے انتظام کس نے فرمائے؟ ہر ایک کا جواب ہو گا خدائے رحیم نے نام مختلف ہو گا لیکن مدعا سب کا ایک ہی ہو گا بارش کے بعد سورج کی گرمی اور ہوا کے خاص اجزا پودے کی خوراک ہے جو اسے اسی شانِ ربوبیت سے دی جاتی رہے گی یہاں تک کہ وہ پودا آپ کی ضرورت کی خوراک آپ کو دے دے اور مویشیوں کی خوراک ان کے حوالے کر دے یہی حال انسان کی باقی ضروری اور نہایت اہم خوراک یعنی ہوا، پانی اور روشنی کا ہے اور انسان بالکل بے بس ہے کہ ان ضروریاتِ زندگی کے حصول کی خاطر آسمان کو دیکھے اور آسمان کو دیکھنا بالکل فطرتی امر ہے کیونکہ انسان جب اپنے گرد و پیش نظر دوڑاتا ہے تو اسے کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آتی جو اس قابل ہو کہ ان ضروریات کا بندوبست

کر سکے لہٰذا قدرتی طور پر وہ ایک ان دیکھی ہستی کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے کسی وقت اس نے الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا اور جس کی معرفت ہی ذلت سے نجات کا باعث بنتی ہے ۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم ! (اقبال)

ظاہر ہوا کہ انسان کے ایک اہم جز جسم کی خوراک کا سارا سامان آسمان اور زمین کے مالک و مختار کے ہاتھ میں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے دوسرے اہم ترین جز کی خوراک کا سامان بھی ارض و سماوات کے مالک کے پاس نہ ہو ۔ جسم بلاشبہ روح سے کم تر جزو ہے کیونکہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ موت کے بعد یہ کس قدر بے کس ہو جاتا ہے موت سے پہلے بڑھاپے میں ہی دیکھئے اس کی بے بسی پر رحم آتا ہے بچپن میں معصوم ، جوانی میں سرکش اور بڑھاپے میں لاچار جسم جب روح سے محروم ہو جاتا ہے تو اپنی بے بسی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے ، اور اسے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا جاتا ہے لیکن کیا کوئی ایسی بھی شہادت موجود ہے جس نے روح کو اس لاچارگی کی حالت میں دیکھا ہو یہ کہاں جاتی ہے کیسے جاتی ہے اس بحث میں ابھی مت الجھئے صرف یہ خیال فرمائیے کہ کیا کسی نے روح کو بھی اپنی گرفت میں لیا ہے جواب یقیناً نفی میں ہوگا تو ثابت ہوا کہ روح بہرحال جسم سے افضل ہے اور جب ہم کم تر جزو کی خوراک کا سامان نہیں کر سکتے تو کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم روح کی بالیدگی کا سامان بھی کر سکتے ہیں یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے ۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن !

پھر سوچئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان کی زندگی میں تین نہایت اہم مراحل آتے ہیں سب سے پہلا مرحلہ پیدائش کا مرحلہ ہے کسی انسان کے بس میں نہیں

کہ اپنی پیدائش پر اختیار رکھتا ہو دوسرا مرحلہ پیدائش سے موت تک کا ہے آخری مرحلہ موت کا ہے جہاں پھر انسان کو کوئی اختیار نہیں رہتا بہت کم خوش نصیب ہوں گے جو ہنسی خوشی موت کو لبیک کہتے ہیں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو موت سے خائف اور دنیاوی زندگی پر شیدا ہوتے ہیں ان کا بس چلے تو سینکڑوں نہیں ہزاروں سال کی زندگی گذاریں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب موت آتی ہے تو شاہ و گدا کی جان لیتی ہے کسی میں طاقت نہیں کہ اس سے راہ فرار اختیار کر سکے تو معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش اور موت اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں بلکہ قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان دو مرحلوں کے علاوہ تیسرے مرحلہ حیاتِ دُنیا میں بھی اس قادرِ مطلق کا اختیار تسلیم نہ کیا جائے جس کے حکم سے ہم آئے اور جس کے حکم سے ہم گئے اسی کے حکم کے تحت کیوں نہ زندگی بھی گذاری جائے محض اس لئے کہ اس کے فیض سے ہمیں چند چیزیں ایسی مل جاتی ہیں جن کو پا کر ہم اپنے آپ میں نہیں رہتے اور ان سب میں بڑھ کر عقل ہے جو ہمیشہ فریب کھاتی رہتی ہے اس کی عیاری کی داد دینی پڑتی ہے کہ انسان کو قدم قدم پر ٹھوکریں کھلاتی ہے لیکن پھر بھی اپنے در سے نہیں ہٹنے دیتی ؎

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے!

بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

پیدائش اور موت کے مراحل کو سمیٹئے تو آپ خواب اور بیداری کی کیفیت سے دوچار ہوں گے غور فرمایئے کہ نیند اور بیداری پر آپ کا کیا اختیار ہے خواب آور گولیاں بھی نیند کی وہ لذت عطا نہیں کر سکتیں جو قدرت کے عطیہ سے ہوتی ہے پوری نیند کے بعد جب انسان بیدار ہوتا ہے تو کس قدر مطمئن اور شاداں ہوتا ہے لیکن جس سے خالق نے نیند چھین لی ہو اس سے پوچھئے کہ رات کیسے گذری بلاشبہ یہ ایسی واضح دلیلیں ہیں کہ ہر عقلمند آدمی کو سوچ پر مجبور کرتی ہیں اب خواب و بیداری کے زمانہ کو بھی سمیٹئے اور سانس کی رفتار پر غور فرمائیں جو

ایک لمحہ اندر جا رہا ہے تو دوسرے لمحے باہر نکل رہا ہے آخر یہ عجیب و غریب نظام نظام کیسے چل رہا ہے کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ سانس لینے اور باہر نکالنے میں آپ کی کسی کوشش کو دخل ہے کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ آپ کی ضروری غذا آکسیجن کو ہوا کے مرکب سے ہر لمحہ جدا کرتے رہنے میں آپ کی کوئی تگ و دو کام کر رہی ہے اور کیا اس بات کا خود انتظام کرتے ہیں کہ جب سانس باہر آئے آکسیجن نہیں بلکہ نائٹروجن نکالے اور یہ سارا نظام اس حُسن و خوبی سے چل رہا ہے کہ اگر ساری دنیا کی مخلوق اکٹھی ہو کر اس طرح کا نظام بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتی لیکن اربوں کھربوں کھربوں ایسے نظام کا ہر لمحہ چلنا کیا اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ یہ کمال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جب جسمانی نشو و نما کا اس درجہ نظام موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ روح کی بالیدگی کا سامان نہ ہو اور جب جسم یعنی ادنیٰ جزو کا سامانِ کُل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ روح جو جسم سے بہر صورت افضل ہے کا نظام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو۔

باہر کمال اندکے آشفتگی خوش است
ہر چند عقلِ کل شدۂ بے جنوں مباش!

ثابت ہوا کہ روح کی غذا بھی مالکِ ارض و سماوات ہی کی طرف سے ہونا ضروری ہے اور اس غذا کا نام وحی ہے جس طرح خُشک زمین کو بارانِ رحمت سیراب کر دیتی ہے ٹھیک اسی طرح بے قرار روحوں کا قرار وحی میں ہے اور اس تعلیم پر عمل کرنا دارین کی سعادت نصیب کرتا ہے بلاشبہ اس راہ کا مسافر گوناگوں مصائب سے دوچار ہو گا لیکن وہ ان سب مصائب کو اس عزم و یقین سے برداشت کرے گا کہ ان کا سبب مالک کی اطاعت ہے اور وہی ہے جو ان سب کو دور فرمائے گا وہ یقین ہے جو انسان کو کبھی بھی مایوسی سے دِل گرفتہ نہیں ہونے دیتا اور وہ عمل پیہم سے منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

تخلیقِ انسانی کی ابتدائی کڑیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کا ازلی دشمن ابلیس اس پر ہر وقت حملہ آور ہو رہا ہے قادرِ مطلق کو انسان کی عزت، فضیلت اور نجات مقصود ہے لہٰذا ضروری تھا کہ اس قوی دشمن سے تحفظ کا بھی کچھ سامان ہو اور ایسا سامان اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا لہٰذا ربِ کریم نے ضروری سمجھا کہ انسان کی ہدایت کے لئے انبیائے کرام مبعوث فرمائے جو راہِ مستقیم ٹھیک ٹھیک تعین فرما دیں تاکہ کل جب اعمال میزان میں تولے جائیں تو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم کو راہِ مستقیم معلوم ہی نہیں تھی ہم عمل کیسے کرتے عقل کی حیلہ جوئی کی یہ ایک بندش بھی ہے جو بلا شبہ ضروری تھی اور قادرِ مطلق ربِّ کریم نے اس کا پورا پورا انتظام فرما دیا اور اب انتخاب انسان کے ہاتھ میں ہے۔ ع

فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے روح یا بدن

ٹھیک اسی طرح جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو پودے کے نزدیک نہ جانے سے منع فرما کر آزاد چھوڑ دیا تھا ابنِ آدم آزاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب انبیاء کرام علیہم السّلام کی آخری کڑی حضور علیہ السّلام کی تعلیم کو مانے یا انکار کرے ان کے احکام کو اپنائے یا جھٹلائے جو نفوسِ قدسیہ اس در کی غلامی اختیار کرتے ہیں ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ:-

"صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور اقامتِ نماز سے اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اُلٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آجائے گی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین اعمال کی جزا دے اور اپنے فضل سے پوری طرح نواز دے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حد و حساب عطا فرماتا ہے" (سورۃ النور)

آج کا مسلمان خود سوچے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے اس کی غفلت کا

کیا حال ہے مانا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور حضور علیہ السلام کی رسالت پر یقین رکھتا ہے لیکن کیا کوئی مسلمان سوچ سکتا ہے کہ اس کا ایمان اور اس کی عبادت حضور سید المرسلین اور اصحاب رسول سے افضل ہے نہیں اور بالکل نہیں تو پھر کیا یہ ستم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسولِ پاک اور اصحابِ پاک نے عبادات کے علاوہ جو عمل کیئے ہم ان سے یکسر غافل رہیں اور جب ان کو غریبوں سے ہمدردی محبت، ان کی مدد، زکوٰۃ کی ادائیگی، جہاد، قربانی، سود سے اجتناب ہر برائی سے نفرت کی ضرورت تھی تو ہم کو اس سے زیادہ ضرورت ہے چہ جائیکہ ان کا بھول کر بھی خیال نہ آئے قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے صرف ایمان لانا کافی نہیں

"کیا سمجھتے ہیں لوگ کہ وُہ چھوٹ جائیں گے صرف اتنا کہہ کر ہم ایمان لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے" (سورۃ العنکبوت)

نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ امتحان ضروری ہے کبھی جان کی قربانی، کبھی مال کی کبھی گالیاں، کبھی سختیاں، کبھی گھر بار کا چھوٹنا، کبھی اولاد سے محرومی غرضیکہ ہر وُہ امتحان جو اس سے پہلے اصحابِ رسول پر آچکا ہے وہ کسی پر آسکتا ہے فرمایا:

"اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیئے ہم اتار دیں گے ان سے ان کی بُرائیاں اور بدلہ دیں گے اُن کو بہتر"

اور اس بدلہ کا ذکر بھی قرآنِ مجید میں ارشاد ہے :-

"اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل کیئے صالح وُہ ضرور ان کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنالے گا"

کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ جھوٹا ہوتا ہے حالانکہ قرآن بار بار فرماتا ہے ان وعد اللہ حقًا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے آپ یقیناً ایسا نہیں سوچ سکتے لیکن آپ کا ہر عمل جب حکمِ قرآنی کے خلاف اٹھتا ہے تو یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ کو اس کی صداقت سے انکار ہے آپ آگ میں کیوں ہاتھ نہیں ڈالتے اس لئے کہ اس کے جلانے پر آپ کو یقین ہے

آپ کیوں سانپ کے منہ میں انگلی نہیں دیتے اس لئے کہ اس کے زہر قاتل کو آپ جانتے ہیں، آپ کیوں شیروں کے کچھار میں نہیں گھستے اس لئے کہ آپ کو اپنی تکہ بوٹی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے پھر کیا یہ ستم بالائے ستم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق کی طاقتوں اور فطرتوں پر آپ کا پانچ سو فیصد یقین ہو اور خالق کائنات کی طاقت اور فطرت پر ایک فیصد بھی یقین نہ ہو کیا ہماری حالت وہی تو نہیں جس کی طرف ارشادِ باری ہے :۔

"ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر کا اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اس پر ایک اور موج ہے اور اس پر بادل ہے یعنی تاریکی پر تاریکی مسلط ہے آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے۔" (سورۂ العنکبوت)

ہم نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا عہد کیا ہوا ہے اسی لئے ہماری ذمہ داری بڑھ جاتی ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح ایک خادم کی ذمہ داری اس کے مالک کے لئے ہے باقی دنیا کو کوئی تعلق نہیں کہ مالک کی اطاعت کرے کیونکہ انہوں نے تو مالک کی حاکمیت کا اعتراف ہی نہیں کیا ذمہ داری اور اطاعت ماننے کے بعد لازم ہوتی ہے اور جو مان کر اطاعت نہ کرے جو جان بوجھ کر حکم عدولی کرے اس کی سزا بلاشبہ سنگین ہونی چاہیئے اس سے بہتر ہے کہ ماننے سے پہلے پوری طرح غور کر لیا جائے کہ فیصلہ کیا ہو آج کے مسلمان کو جب حضرت اقبال نے قرآنی احکام کے مطابق عمل سے دور پایا تو کیا سچ فرمایا اور کتنے درد سے فرمایا ؎

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے!
کسی بتکدے میں بیان کروں تو صنم بھی کہے ہری ہری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک وہ غفور و رحیم سارے گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔

باز آ باز آہر آنچہ ہستی باز آ!
کافر و گبر و بُت پرستی باز آ!
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ترجمہ: باز آ، باز آ تو کافر ہے یا بُت پرست جو بھی ہو توبہ کر اور واپس آ ہماری بارگاہ مایوسی اور نا امیدی کی بارگاہ نہیں اے ناداں اگر تو سو دفعہ بھی توبہ کر کے توڑ چکا ہے پھر بھی توبہ کر"

حضرت آدم علیہ السّلام سے لغزش ہوئی توبہ و استغفار چاہی بخش دیئے گئے اور انعام و اکرام سے نوازے گئے زندگی میں ہر وقت توبہ و استغفار ممکن ہے بلکہ یوں سمجھیئے کہ رحمت باری تعالیٰ بے تاب ہے ہم کو معاف فرمانے کے لئے ہے

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے
قطرے تھے جو میرے عرقِ انفعال کے

ہم کو لازم ہے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ قرآن مجید کے احکام کی روشنی میں کریں جس کا اعلان ہے اور بار بار اعلان ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول حضور علیہ السّلام کی حیاتِ اقدس ہی مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے اور نبی کریم علیہ السّلام کے رنگ میں جتنا زیادہ رنگا جاسکے اتنا ہی انسان کے لئے بہتر ہے جہاں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ عبادات کی رہنمائی فرماتی ہے وہاں حقوق العباد اور جہانبانی کے ضروری پہلو پر بھی مکمل روشنی ڈالتی ہے اور راہِ مستقیم کی طرف ہدایت فرماتی ہے ہے

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است
اگر بہ او نرسیدی ہمہ بولہبی است!

ترجمہ: اپنے اعمال و افعال کو حضور علیہ السّلام کے فرمان کے مطابق بناؤ کیونکہ یہی اصل دین ہے اگر ایسا نہ کرسکو تو پھر تمہارا ہر کام ابولہب کی طرح ہے"

سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

بلا شبہ قرآن مجید میں خاتم النبیین والمرسلین کا نمایاں مقامِ اعلیٰ حضور علیہ السلام کی شانِ اقدس میں آیا ہے لیکن میری نظر میں سیدالمرسلین کسی جگہ نہیں فرمایا گیا اس کے باوجود علمائے امت کا سوادِ اعظم اس یقین کا حامل ہے کہ حضور فخرِ موجودات سیدالمرسلین کے عظیم ترین مقام پر بھی جلوہ افروز ہیں اور مجھے ان بزرگوں سے پورا پورا اتفاق ہے دیکھنا یہ ہے اس یقین کا جواز کیا ہے کیونکہ یہ وہ عالی مرتبت مقام ہے جس کے متعلق اندازہ ناممکن ہے سوائے بے بسی کے اس اعلان کے کہ :

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ لانفرق بین احد من رسلہ کہ رسولوں میں کوئی فرق نہیں جس کا مطلب یقیناً یہ ہے کہ جہاں تک نبوت و رسالت کا تعلق ہے کسی رسول میں فرق نہیں اللہ کریم کے ان منتخب رسولوں کا پیام ایک تھا جو کوئی بھی جس دور میں آیا، جس قوم میں آیا ہر ایک حرف بہ حرف ایک ہی پیغام لایا لا الہ الا اللہ اس حد تک جو مقام ہے وہ انبیاء و مرسلین کا برابر ہے اور قرآنِ مجید اس پر واضح شہادت ہے۔

لیکن سورۂ البقر میں ارشادِ ربانی ہے :-

"ان سب رسولوں کو بعض کو بعض پر فضیلت دی کوئی ان میں ہیں کہ کلام کیا ان سے اللہ تعالیٰ نے اور بلند فرمائے بعضوں کے درجات"

غور کریں تو جہاں سے بشر کی کڑی چلی تھی وہ انسانی شکل و صورت اور اس کی یکساں ضروریات تھیں لیکن کافر و مومن میں فوراً نمایاں فرق ہو گیا ایک کتے کی مثال، دوسرا ابدی زندگی اور مادی نعمتوں اور رحمتوں کا سزاوار یہ کیوں ہوا اس لئے کہ ایک نے اللہ تعالیٰ کے رسولِ پاک کی اطاعت کی اس پر

ایمان لایا، دوسرا منکر ہوا اور اللہ تعالیٰ کے رسولِ پاک کی تکلیف کا باعث بنا ہر ایک کا عمل اس کے درجات میں تفاوت پیدا کرتا گیا یہاں تک کہ ایک صدیق کے اولو العزم مقام پر جلوہ افروز ہوا جہاں حیات ہی حیات ہے نعمتِ دیدار ہے اور رحمتوں کی بارشیں ہیں اور دوسرا گرتے گرتے اسفل السافلین کے مقام پر پہنچ گیا جہاں آگ ہی اوڑھنا، آگ ہی بچھونا، آگ ہی خوراک اور لعنتوں اور ذلتوں کی پھٹکار ہے یہ بھی یاد رہے کہ انسان اپنی عبادت، ریاضت اور کسی قربانی سے نبی نہیں بن سکتا۔

اب دیکھیں تو ان سب مراتب سے اوپر انبیاء کرام کا مقدس و مطہر گروہ ہے جن میں سے کسی نبی کی شانِ اقدس کا اندازہ ممکن نہیں جب شہداء کو موت نہیں ان کے نصیب میں جمالِ باری تعالیٰ کی تجلیات کی فراوانی ہے تو جن کی غلامی میں یہ مقام حاصل ہوتا ہے ان کی بلندی کیا ہو گی۔ ؏

"رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان"

انبیائے کرام کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا یقیناً مشکل ہے لیکن ایک بات قرآن حکیم میں جا بجا ارشاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر قوم میں رسول بھیجا گیا بزرگوں نے اندازہ لگایا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس تعداد پہ شک کیا جائے جن انبیاء و مرسلین کا ذکر قرآن میں ملتا ہے ان کے متعلق ارشاد ہے کہ اپنی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے یہاں تک کہ وہ زمانہ بھی آیا جب تاجدارِ رسالت کا ظہورِ پاک ہوا تو ارشاد قوم سے پھیل کر نوعِ انسانی تک پہنچ گیا اور حکمِ باری ہوا کہ آپ فرمائیے اے لوگو (الناس) میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ربُ النّاس کے محبوب سردارِ دو جہاں تمام الناس (انسانوں) کی طرف رسول بن کر تشریف لائے اور رسول بھی کیسے رحمۃ للعالمین، کیوں للعالمین اس لئے کہ اب ربُ العالمین کی ساری رحمتوں اور نعمتوں کے کمال کا

وقت آگیا تھا اور شفاء للناس کا نسخہ عطا ہونے والا تھا (قرآن حکیم)

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت!
تا چراغ یک محمد برفروخت

آپ پڑھ چکے ہیں کہ:

"ہر ایک کے درجات ہیں اپنے عمل کے لحاظ سے اور آپ کا رب کسی کے عمل سے غافل نہیں" (سورۃ النساء)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کا درجہ نہایت اہم ہے اور قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر عمل صالح کی ہدایت فرمائی گئی ہے لیکن یاد رکھیئے کہ عمل کی کسوٹی نیت ہے ضروری نہیں کہ ہر شخص کا عمل ایک جیسے انعام و اکرام کا سزاوار ہو، بلکہ یہ انعام و اکرام ہر شخص کی نیت، خلوص ایمان پر منحصر ہے جس سے رب کریم خوب واقف ہیں سیاست کا عمل دخل یہاں بالکل نہیں دھوکہ اور فریب یہاں بالکل نہیں چلتا جس ذات عظیم و قدیم سے واسطہ ہے وہ ہماری رگ رگ سے واقف ہے یہاں نہ رشوت چلتی ہے نہ ڈالی، نہ خوشامد کا گذر ہے نہ، نہ ریا کا، بلکہ صرف اور صرف خلوص اور یقین محکم ہی سے مراد ملتی ہے

عشق تری انتہا عشق مری انتہا
تو بھی ابھی ناتمام میں بھی ابھی ناتمام!

لہٰذا یہ جاننا چاہیئے کہ فیضِ ربّانی اعمال کے اعتبار پر نہیں جو عشق و مستی سے محروم ہوں بلکہ بسا اوقات صرف عمل واحد پر ہو جاتا ہے جو عشق و مستی میں ڈوب کر کیا جائے قرآنِ حکیم سے دو واضح شہادتیں ملتی ہیں اول فرعون کے ساحروں کا واقعہ اور دوئم اصحاب کہف کا واقعہ ان حضرات نے ایسے پختہ عزم و یقین سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اعلان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی ادا سے بخش دیا اور عمل صالح کی نوبت ہی نہ آئی چنانچہ ہمیشہ ذہن میں رکھیئے کہ

شانِ کرم پہ ہے مدار عشقِ گرہ کشائے کا
دیر و حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز دے

اس کا جواز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق، خالقِ کل اور غفور الرحیم ہیں وُہ بہتر جان سکتے ہیں کہ کوئی کس کا حقدار ہے انسان کی اہلیت ہی نہیں کہ ان رموز کو جان سکے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہیں جتنا چاہیں نواز دیں تو ہم کون ہوتے ہیں اس پر اعتراض کرنے والے یہ اس کا لطف و کرم ہے جس کی کوئی حد نہیں اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم ہیں لیکن جب وہ حضور علیہ السّلام کو بھی رؤف و رحیم فرمائے تو یہ اس کا فضل و کرم ہے ہمارے بُتِ پندار کو آتش زیرِ پا نہیں ہونا چاہیئے۔

اب دیکھیئے کہ سید المرسلین کا تاجِ زریں کس سرِ اقدس پر زیب دیتا ہے لیکن یہ یقین اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہٹے کہ تمام انبیاء و مرسلین مقامِ نبوت میں برابر ہیں اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اس کے منتخب ہیں اور تمام بنی نوعِ انسانی سے افضل ہیں البتہ ہر ایک پر ربِ کریم کا فضل و احسان جُدا جُدا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی :-

تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض

۱- اولین نبی حضرت آدم علیہ السّلام تھے جن کو پیدا فرماتے ہی مسجودِ ملائک بنا دیا گیا سکونِ خاطر کے لئے حضرتِ حوا شریکِ زندگی بنا دی گئیں۔ اور جنت الفردوس ٹھکانہ ٹھہرا آپ کی نظروں کے سامنے بارگاہِ ایزدی میں ابلیس نے آپ کی عظمت کے آگے جھکنے سے انکار کیا اور لعنتی ہوا پھر یہ چیلنج دیا کہ میں آدم اور ابنِ آدم کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے منحرف کر کے چھوڑوں گا قیامِ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں میسر تھیں اور باری تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اس ایک درخت کے پاس نہ جانا اور ہوشیار رہنا کہیں شیطان ورغلا نہ دے اور آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں اس

واضح ہدایت کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان نے وسوسہ میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی ہوئی اور جنت کی بجائے زمین ٹھکانہ ٹھہرا، حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کو اپنی غلطی کا فوراً احساس ہوا اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار چاہی آپ کے بے تاب نالوں نے عرش عظیم کے مالک کی رحمت کو پکارا اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں کے ساتھ ظلم کیا ہے پس اگر تو ہمیں معاف نہ فرمائے گا اور رحم و کرم سے بخش نہ دے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے رحمان و رحیم نے اپنے بندے کی فریاد سن لی اور ان کی لغزش کو معاف فرما دیا۔ ظاہر ہوا کہ ابھی اس کامل ترین پاک ہستی نے آنا تھا جس پر شیطان کا کوئی وار نہ چل سکے اور جو ذاتِ اقدس اپنے غم میں نہیں بلکہ نوعِ انسانی کے غم میں روئے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے آپ نے تقریباً ایک ہزار سال تک اپنی قوم میں تبلیغ کی لیکن معدودے چند آدمی مسلمان ہو سکے آپ نے مایوس ہو کر دعا فرمائی یاالٰہی میں نے دن رات کئی برسوں تک قوم کو تیری طرف بلایا لیکن یہ مسلمان ہونے والے نہیں تو ان کو تباہ و برباد کر دے کیونکہ ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہو گا کافر اور فاجر ہو گا چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور قوم کی قوم طوفان کی موجوں میں غرق کر دیا گیا لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا جو مسلمان نہیں تھا غرق ہونے لگا تو اسکی عافیت کے لئے آپ کے دونوں ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھ گئے جس پر ارشادِ باری تعالیٰ ہوا کہ اے نوح آپ اس کے لئے دعا نہ مانگیں وُہ آپ میں سے نہیں کیونکہ وُہ کافر ہے ناظرین غور فرماویں بشری رشتے کس طرح ٹوٹ جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی شانِ نبوت لاریب ہے لیکن ارض وسموات عشق و محبت کی اس بلندی کو دیکھنے کے لئے چشم براہ تھے جب محبوبِ خدا نے قوم کے حق میں بددعا نہیں فرمائی بلکہ جب طائف کی سرزمین میں بدکرداروں نے پتھر مار مار کر جسمِ اطہر لہو لہان کر دیا آوارہ بچوں نے تالیاں بجائیں، سرکش نوجوانوں نے پھبتیاں کسیں تو خادموں نے عرض کی یارسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ ان بدکرداروں کے حق میں بددعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کر دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک دُعا کے لئے بلند ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے میرے اللہ تو میری قوم کی خطاؤں کو بخش دے یہ اندھے ہیں نہیں جانتے کہ میں کون ہوں ورنہ یہ کبھی ایسا سلوک نہ کرتے الٰہی ان کو بصیرت عطا فرما اور ان کو اپنے عذاب سے بچا کیونکہ یہ نہیں تو ان کی اولاد میں سے ضرور کوئی نہ کوئی تیرا نام لیوا پیدا ہوگا اللہ اکبر یعنیاً حضرت نوح علیہ السلام ابھی اس فیضِ ربانی سے مستفیض نہیں ہوئے تھے اور عشق و مستی کی ان جولانیوں کا وقت آنے والا تھا جب نبی تو نبی اصحابِ رسول نے کافر اولاد کے خلاف جنگ میں اپنی شمشیروں کا آزادانہ استعمال فرمایا۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نورانی زمانہ آتا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے دوست بنایا وُہ ذاتِ اقدس جن کی اولاد سے بے شمار نبی مبعوث ہوئے عِشقِ حق کے متوالے حضرت خلیل علیہ السلام جنہوں نے نارِ نمرود کے شعلوں میں بے کھٹکے جان ڈال دی جنہوں نے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر بے دریغ چھُری رکھ دی اور ارض وسماوات کو سکتے میں ڈال دیا، جنہوں نے اپنی عزیز ترین متاعِ حیات سیدہ ہاجرہ اور فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ میدان میں

اپنے اللہ تعالیٰ کے سہارے اس کے حکم سے چھوڑ دیا اتنی اولوالعزم شان کے نبی نے ایک دن اپنے پروردگار سے پوچھ ہی لیا کہ اے اللہ تو کس طرح مرنے کے بعد زندہ کرے گا حکم ہوا کیا آپ کو یقین نہیں عرض کی الٰہی یقین تو ضرور ہے لیکن اگر تو اپنے فضل سے دکھا دے تو اطمینانِ قلب ہو جائے گا چنانچہ حکم ہوا چار پرندے لو ان کو ذبح کر کے ہر ایک کے اعضاء جدا جدا کر کے سب اجزاء کو ملا دیں اور پھر چاروں طرف ان اجزاء کو بکھیر دیں پھر ایک پرندے کا نام لے کر پکاریں پرندہ زندہ ہو کر آپ کو اطمینانِ قلب نصیب کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام پکار اُٹھے میرا رب بڑا ہی قدرتوں والا ہے۔

معلوم ہوتا ہے ابھی عشق کی وہ منزل منتہیٰ نہیں آئی تھی جہاں سوال اور جواب کا سلسلہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

۴۔ آپ کے بعد حضرت یعقوب علیہ السّلام کا ذکر ہے حضرت یوسف علیہ السّلام سے آپ کو بے پناہ محبت تھی جب حضرت یوسف علیہ السّلام خواب دیکھتے ہیں اور آپ سے اس کا ذکر فرماتے ہیں تو آپ تاکید فرماتے ہیں کہ اس کا ذکر بھائیوں سے نہ کرنا کیونکہ انسان شیطان کے ساتھ کھلا دشمن ہے حضرت یوسف علیہ السّلام کی جدائی میں اتنا روتے ہیں کہ بینائی بھی جاتی رہتی ہے پھر جب سارے بیٹے مصر روانہ ہوتے ہیں تو ان کو ایک دروازہ سے داخل نہ ہونے کی تاکید فرماتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے جو چاہا فرما دیا معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی رشتوں کا تعلق ابھی تک جاذبِ نظر تھا اور اس وقت کا انتظار تھا جب نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ غلامانِ رسول اپنے فرزندوں کو عشق و محبت کی قربان گاہ پر قربان کرنے والے تھے نواسۂ رسول

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی بے مثال قربانی کا وقت ابھی نہیں آیا تھا جب خاندان کا بچہ بچہ راہِ حق میں کٹ گیا لیکن سیدنا حضرت امام حسین کا قلبِ اطہر متزلزل نہ ہوا، آہ و بکا نہ کی، بلکہ جب اپنی جان دینے کا وقت آیا تو سر اقدس اللہ تعالیٰ کے حضور سبحان ربی الاعلیٰ کا اعلان فرما رہا تھا عشق و مستی کی ان سرشاریوں کا وقت ابھی دور تھا۔

۵۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے جو علم و حکمت اور اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازیوں سے پُر ہے زندگی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں رہا جس پر سورۂ یوسف رہنمائی نہ فرماتی ہو کاش آج کا مسلمان اپنی متاعِ بے بہا کو پا سکے القصہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا کسی قافلہ نے وہاں سے نکالا اور مصر کے بازار میں بیچ دیا دیارِ غیر میں اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی اور عزیزِ مصر کے گھر پہنچا دیا امتحان مقصود ہوا تو زلیخا کو عاشق بنا کر آپ کے پیچھے ڈال دیا اور عشقِ مجازی میں اُسے پاگل بنا دیا حضرت یوسف علیہ السلام شیطان کے جال کو تار تار کر کے بھاگے تو عزیز کے سامنے پایا اور اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور باعزت بری کر دیئے گئے حضرت یوسف علیہ السلام نے امتحان اور جیل میں سے جیل کو پسند فرمایا بے گناہ وہاں پہنچا دیئے گئے وہاں دو قیدیوں نے خواب دیکھا جس کی تعبیر حضرت یوسف نے فرمائی ایک سے کہا تم کل قتل کر دیئے جاؤ گے، دوسرے سے کہا تم دوبارہ بادشاہ کے مصاحب بنو گے اور یاد رکھنا بادشاہ سے ضرور کہنا کہ میں بے گناہ جیل میں پڑا ہوں اور میرے معاملہ کو سلجھانا اللہ اللہ! بزرگوں کے امتحان بھی عجیب ہوتے ہیں اتنی سی بات اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ کیوں میرا محبوب غیر سے سوال کرے نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بات کئی سال

تک بھول گئی اور یاد اس وقت آئی جب شاہ مصر نے خود خواب دیکھا اور تعبیر چاہی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں وہ خود ہی جانتا ہے کہ راز کیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس ذاتِ اقدس کا انتظار تھا جو اپنا ہر کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے اور اس پر مکمل توکل رکھے وہ عظیم المرتبت ذات اقدس جنہوں نے غار ثور میں کفار کو غار کے منہ پر پاکر رفیق راہ صدیق اکبر کی گھبراہٹ کو لا تحزن ان اللہ معنا کہہ کر دور فرمایا تھا۔

۶۔ آپ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آتا ہے جن کو کلیم اللہ ہونے کی فضیلت حاصل ہے وہ ذاتِ اقدس جن کی بیشمار باتیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں اور ناز و ادا کا کمال کر دیا، وہ ذات اقدس جو کوہ طور پر رُخِ زیبا کا جلوہ دیکھنے کے لئے اڑ گئے تھے فرمانِ باری تعالیٰ ہوا: اے موسیٰ ابھی عشق اس منزل میں داخل نہیں ہوا جہاں سارے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ مانے پہاڑ پر ایک تجلی جلوہ ریز ہوئی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات

تو عین ذات رانگری و در تبسمی!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو حکم ہوا کہ آپ کو ہم نے رسول چُن لیا ہے اور آپ فرعون کی خدائی کو چکنا چور کر دیں عرض کی خداوندا میری زبان میں لکنت ہے میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت عطا فرما اور میرے ساتھ شریک فرما حکم ہوا اے کلیم ہم نے آپ کی دُعا قبول کی معلوم ہوا کہ ابھی وہ وقت آنا تھا اور حکم ہوتے ہی کوہِ فاران پر چڑھ کر علی الاعلان بلا خوف تن تنہا ذاتِ اقدس نے ساری قوم کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دیتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو دیکھنے کے باوجود حضرت ہارون علیہ السلام کو مدّ گار پا لینے کے باوجود جب فرعون کے ساحروں کی رسیاں سانپ بن گئیں تو حضرت کلیم پریشان ہوئے حکم ہوا اپنا عصا پھینکئے یقیناً فتح آپ کی ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن چشمِ فلک نے ابھی وُہ نظارہ دیکھنا تھا جب حضور علیہ السلام لیٹے ہوئے ہیں اور ایک کافر تلوار تان کر کہتا ہے بتایئے اب مجھ سے آپ کو کون بچا سکتا ہے قلبِ اطہر مطمئن ہے زبانِ اقدس سے ارشاد ہوتا ہے میرا اللہ! یہ سنتے ہی رُعبِ نبوت سے تلوار گر جاتی ہے اور قتل کرنے والا قدموں پر گر جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر چاہے زیادہ فرما دے

تو بہ نخلِ کلیمے بے محابہ شعلہ مے ریزی!
تو بر شمع یتیمے، صورتِ پروانہ مے آئی!

قوم کو بچا کر اور فرعون کو بمعہ لشکر غرقِ نیل کر کے مصر سے نکال لے جاتے ہیں من و سلوٰی کی نعمتیں کھلاتے ہیں ہر ایک قبیلہ کی خاطر پانی کا جُدا جُدا چشمہ مہیا فرماتے ہیں لیکن قوم کیسی تیار ہوتی ہے جو سامری کے بچھڑے کی پجاری بن جاتی ہے جو جان کی قربانی سے گریز کر کے کہتی ہے اے موسیٰ آپ اور آپ کا خدا جنگ کریں ہم تو ان جابروں کے ساتھ نہیں لڑ سکتے معلوم ہوا کہ ابھی وُہ وقت آنے والا تھا جب سید المرسلین کی غلامی وہ عشق و محبت عطا فرما دے کہ بھوکے پیٹ جان بازی پر لگا دی جائے عشق و محبت کے ان متوالوں کا وقت ابھی آنا تھا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں وطن، عزیز و اقارب، مال و دولت غرضیکہ ہر چیز ہنسی خوشی قربان کر دیں اور جن کا اعلان ہو۔

یہ مال و دولتِ دُنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ!

اللہ تعالیٰ کا عظیم المرتبت رسول حضرت کلیم علیہ السلام جب حضرت

خضر علیہ السلام کے ہم سفر ہوتے ہیں تو ہم ان کو لاچار پاتے ہیں کہ کشتی مسکین میں سوراخ کرنے، جانِ معصوم کو قتل کرنے اور دیوارِ یتیم کو اُستوار کرنے کی مصلحت کو سمجھ سکیں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس ذاتِ اقدس کی تشریف آوری کا وقت آنا تھا جب حضرت خضر علیہ السلام کی رہنمائی کی ضرورت نہ رہے بلکہ خود حضرت خضر بارگاہِ عالی میں حاضری دے کر فیض حاصل کریں ؎

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا!

۷۔ حضرت ذکریا علیہ السلام کی دُعا کو یاد فرمایئے جب آپ نے عرض کی تھی کہ اے پروردگار میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک بیٹا عطا فرما جو خاندانِ یعقوب کا وارث بنے ارشاد ہوا کہ اے ذکریا ایسا کرنا آپ کے پروردگار کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے جس نے آپ کو پیدا فرمایا ہے حالانکہ آپ کی ہستی کا نام و نشان تک نہ تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن حضرت ذکریا کا تعجب ظاہر کرتا ہے کہ ابھی قادرِ مطلق کی ساری قدرتوں کو پانے والی ذاتِ اقدس کا ظہور نہ باقی تھا جو فرمانِ باری پر بغیر کسی تعجب سے یقین فرما دے اور جب مکہ کی بے سر و سامان زندگی میں فتح و کامرانی کی بشارت دی جائے تو ظاہری مایوس کن اور حوصلہ شکن حالات سے لاپرواہ ہو کر قلب اطہر یقین سے لبریز ہو جائے۔

۸۔ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ یاد فرمایئے جب قوم کو عذاب کی خبر دے دی لیکن قوم کے توبہ و استغفار سے عذاب جب ٹل گیا تو آپ غضبناک ہو کر وطن سے چل پڑے ایک کشتی میں سوار ہوئے وہاں سے وہاں سے دریا میں پھینک دیئے ایک مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو اس

ظلمت میں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنے پروردگار کو پکارا اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی پاک ہے حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کیا ہے باری تعالیٰ نے اپنے رسول کی پکار سُنی اور غم و الم سے نجات بخش کر عزت عطا فرمائی دیارِ عشق میں ابھی ایسے عاشق کا مقام خالی نظر آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے محبت سے لبریز دل کے مالک ہوں جو اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹل جانے پر رنجیدہ نہ ہوں بلکہ خود دعا فرمائیں کہ الٰہی ان کو اپنے عذاب سے بچانا یہ تیرے بندے ہیں اگر یہ نہیں تو ان کی اولاد میں سے ضرور کوئی تیرا نام لیوا پیدا ہوگا۔

۹ - حضرت مریم صدیقہ علیہا السّلام کو جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی تو حضرت ذکریا کی طرح بہت متعجب ہوئیں اور جب وضع حمل کا وقت آیا تو اپنے آپ کو کوسنے لگیں کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے اور نبوت کے عالی مقام پر جلوہ افروز ہوئے دشمنوں نے آپ کے لئے سولی کی سزا منظور کر دالی تو بے تاب ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کو بچالیا آپ کی حیاتِ اقدس دعاؤں اور معجزوں سے بھری پڑی ہے لیکن کارگاہِ حیات میں جو لازمی واقعات آتے ہیں ان پر رہنمائی نہیں فرمائی چنانچہ آپ نے فرمایا:

"اے بنی اسرائیل میں آپ کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تورات اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد تشریف لانے والے ہیں ان کا اسم گرامی احمد ہے" (سورۃ الصف)

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام صرف بنی اسرائیل ہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے جس طرح ہر نبی ہر قوم کی طرف ابھی تک سید المرسلین کا

مقام خالی تھا جو کسی قوم کی طرف نہیں بلکہ نوعِ انسانی کی طرف رسول بن کر تشریف فرما ہوں جس طرح قوموں سے نوعِ انسانی بنتی ہے ٹھیک اسی طرح قوموں کی طرف سارے رسولوں اور نبیوں سے نوعِ انسانی کی طرف جو رسول آئے وہ سید المرسلین ہیں وہ ذات پاک جن پر قرآن نازل ہوا جس کا دعویٰ ہے فیہ شفاء للناس اس میں بیمار انسانوں کے لئے شفا ہے وُہ رحمۃ للعالمین جن کی زبانِ اقدس سے کسی کے حق میں بد دُعا نہیں نکلی، وہ رہبرِ اعظم جن کی تعلیم نے من و تو کو مٹا دیا اور تمام غلاموں کو جامِ حق سے اس درجہ مست و بے خود بنا دیا کہ دنیا کا ہر رشتہ قربان گاہِ محبت میں قربان کر دیا گیا وُہ ہادیٔ برحق جن کی بارگاہِ عالی سے ہدایت یافتوں نے دنیا کو علم و حکمت کا سبق دیا، وہ ذاتِ اقدس جن کی بدولت تزکیۂ نفس کی یہ حالت تھی کہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر مکمل یقین تھا وہ محبوبِ ربانی جن کے عاشقوں نے آپ کے دستِ مبارک پر موت کی خاطر پروانہ وار بیعت فرمائی اور جنون و مستی کے ایسے عالم میں بیعت فرمائی کہ خود خالق نے اس کی تعریف فرمائی وہ عظیم و برتر ذات جو جب مکہ سے ہجرت فرما رہی تھی تو صرف ایک رفیق ہمراہ تھے لیکن ۸ سال بعد جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو لاکھوں پروانے شمعِ رسالت پر بے تابانہ رقص کر رہے تھے ہمارے آقا و مولیٰ، تاجدارِ مدینہ سرکارِ دوجہاں، فخرِ موجودات، حاصلِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً سید المرسلین کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں اور اس کا واضح ثبوت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:- الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔

"آج کے دن ہم نے آپ پر دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کی انتہا فرما دی" صلی اللہ علیہ وسلم۔

تسکینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کا چالیسواں سال ہے زندگی میں عزت ایک ایسی چیز ہے جس کی چاہت ہر دل کو بے قرار رکھتی ہے۔ اہلِ مکہ گناہوں کے طوفان میں غرق ہیں لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ ترین اخلاق کی ایسی بلندی پر فائز ہیں کہ اس بداخلاق و بد کردار معاشرہ میں عزت و شرافت کا بلند ترین مقام حضور علیہ السلام ہی کو حاصل ہے لوگوں کو امانت رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو ہر ایک کی نگاہ آپ ہی کی طرف اٹھتی ہے غریبوں اور بیکسوں کو امداد کی حاجت ہوتی ہے تو ذاتِ اقدس پر ہی نظر ٹھہرتی ہے یتیموں اور بیواؤں کو اگر کچھ سہارا ہے تو صرف آپ ہی کی ذاتِ پاک ہے ان خوبیوں کی وجہ سے سردارِ دو جہاں اہلِ مکہ کی آنکھوں کا تارا ہیں دِل کا سرور ہیں اور ہر کوئی آپ کی راہ میں آنکھیں بچھاتا ہے۔

خانگی زندگی بھی چین و اطمینان سے گذر رہی ہے حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی پاکباز، شریف النفس، غمگسار اور باعزت بیوی شریکِ حیات ہیں کوئی ایسی بات نہیں جو وجہ پریشانی ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فخرِ موجودات کو کسی پل چین نہیں قرآن مجید کے الفاظ میں آپ کی کمر دوہری ہو رہی ہے یہ تڑپ کیا ہے یہ کوئی اپنا غم نہیں، دولت کی فکر نہیں، سرداری کی تمنا نہیں بلکہ نوعِ انسانی کو آگ کے گڑھے سے نکالنے کی تمنا ہے، خالقِ حقیقی سے مخلوق کا کٹا ہوا رشتہ جوڑنے کا درد ہے جو بے چین رکھتا ہے اور غمگسارِ انسانیت مکہ کی آبادی سے دور غارِ حرا میں خلوت گزیں ہو کر غور و فکر فرماتے ہیں ساری ساری رات چشمِ اقدس سے آنسو رواں رہتے ہیں قرآنِ کریم نے آپ کی اس تلاش کا ذکر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے آپ کو حق کا متلاشی پایا پھر راہ دکھائی ناموسِ الٰہی کا

وقت قریب ہوتے ہوتے سر پر آپہنچا اور حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر حاضر ہوئے کائنات نے جھوم کر کہا

برخیز کہ آدم را ہنگام نمود آمد!
ایں مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد
آں راز کہ پوشیدہ در سینۂ ہستی بود
از شوخئ آب و گِل در گفت و شنود آمد

ترجمہ اٹھیئے کہ بنی آدم کی عزت و تکریم کا وقت آپہنچا یہ مشتِ خاک بہت جلد ستاروں کا مسجود بنے گا۔

وہ راز جو سینۂ ہستی میں ابھی تک پوشیدہ تھا اس کی تگ و دو سے اب ظہور پذیر ہوگا۔

حکم ہوا اپنے گھر والوں اور عزیزوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام دیجئے بلا تامل لبیک فرمائی علمائے امت متفق ہیں کہ ایمان لانے میں اولیت عورتوں میں حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، مردوں میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، بچوں میں حضرت سیدنا علی شیرِ خدا، اور غلاموں میں حضرت سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو سعادت نصیب ہوئی اللہ اللہ کیا نصیبا تھا سید الانبیاء کی اولین غلامی لیکن باقی سارے جہاں کی آقائی جن کے حصہ میں آئی۔ ع

من بسیمائے غلاماں فرِ سلطان دیدہ ام

پیغام حق زیادہ دیر تک محدود نہ رہ سکتا تھا اس نے پھیلنا تھا چنانچہ بہت جلد حکم ہوا کہ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنائیے ذاتِ اقدس نے بلا کھٹکے قوم کو کوہِ فاراں کی چوٹی سے پکارا قوم دوڑتی ہوئی آئی کیونکہ یہ آواز قوم کے محبوب، ہمدرد و غمگسار کی آواز تھی جس پر وہ لبیک کہنا سعادت سمجھتے تھے ارشاد ہوا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کی اس طرف دشمن کی بھاری فوج تم پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو کیا تم یقین کرلوگے سب یک زبان ہو کر بولے

ضرور یقین کریں گے کیونکہ آپ نے ساری عمر جھوٹ نہیں بولا قوم سے اپنی صداقت منوا کر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تو سنو میرا پیغام ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ معبود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے تمہارے سارے بت پتھر کی مورتوں سے زیادہ کچھ نہیں اور ڈرو اس دن سے جو ضرور آنے والا ہے اور جب تمہارے اعمال کی وجہ سے سزا و جزا دی جائے گی جو قوم ایک لمحہ پہلے آپ کی صداقت کا اعلان کر رہی تھی اعلان حق سنتے ہی بپھر گئی اور غصے ہو گئی، بُرا بھلا کہا اور اُلٹے قدم چل پڑی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ آخر اس دو جملوں کے اعلان میں وُہ کون سی برائی تھی جس نے ساری قوم کو مخالفت کر دیا اور چالیس سال آزمودہ بزرگ ہستی کے در پے ہوئے اگر اس اعلان کا مقصد مختلف طریقہ ہائے عبادت ہی تھے تو کفار کو کیا اعتراض تھا کہ اپنی محبوب ہستی سے دشمنی مول لیتے آخر ہر قبیلہ کا بت جدا تھا اور طریقہ عبادت بھی جدا تھا جہاں اور اتنے طریقے تھے وہاں ایک اور بھی سہی کیا فرق پڑتا تھا پھر دیکھئے کہ ہر بُت کے پُجاری کس طرح حق کے خلاف متحد ہو گئے اور الکفر ملت واحدہ کا ثبوت دیا بلا شبہ اہلِ مکہ نے اس انقلابی نعرہ کا مطلب اعلان ہوتے ہی پا لیا تھا جس کو ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ ماننے سے کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو معلوم تھا کہ یہ وہ اعلان ہے جو ہمارے معاشرہ کے خلاف اعلانِ جنگ ہے سزا و جزا کی تہہ تک وہ پہنچ گئے تھے اور لا الٰہ الا اللہ کی ساری دشواریاں ان پر عیاں ہو گئیں تھیں یہ اعلان تھا معاشرہ کی ساری برائیوں کے خلاف نفس کی ساری سرکشیوں کے خلاف اور من مانی کرنے کے خلاف اگر قریش نے آج کے مسلمان کی طرح سمجھا ہوتا کہ مسلمان ہو کر بھی انسان جو اُکھیل سکتا ہے، ملاوٹ کر سکتا ہے، شراب پی سکتا ہے، زنا کر سکتا ہے، رشوت لے سکتا ہے، کم تول سکتا ہے، غریبوں کا خون چوس کر محلات بنا سکتا ہے سُود کھا سکتا ہے غرضیکہ

ہر کام میں آزاد ہے تو وہ کبھی اتنی بڑی دشمنی مول نہ لیتے اور حضور علیہ السلام سے کبھی بر سرِ پیکار نہ ہوتے لیکن انہوں نے لا الٰہ الا اللہ کی مشکلات کا اندازہ اس کے اعلان ہوتے ہی لگا لیا تھا انہوں نے اسے سمجھا اور نہ مانا۔ ہم نے اسے مانا لیکن افسوس سمجھ نہ سکے ؂

چوں مے گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

ترجمہ: جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو کانپ جاتا ہوں کیونکہ لا الٰہ الا اللہ سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کی مشکلات سے واقف ہوں۔"

غرضیکہ اعلانِ حق کوہِ فاراں سے بلند ہونا تھا کہ ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی نبوت کی ضربات جب معاشرہ کی برائیوں پہ پڑنے لگیں تو کل کا محبوب آج کا معتوب ہو گیا، کل کا امین آج کا جھوٹا، دیوانہ اور سحر زدہ قرار پایا، کل کا معزز آج گالیوں، پھبتیوں اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنا کل تک جو ذاتِ اقدس ہر ایک کی دردمند اور غمگسار سمجھی جاتی تھی آج دشمن قرار دی گئی اور مکہ کی گلیوں میں آوارہ بچے آپ کے پیچھے تالیاں بجانے لگے، کل تک جس ہستی کے ہر فیصلے پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کئے جاتے تھے آج اس کے فیصلوں پر زبان درازی ہونے لگی کل جس ذات والا صفات کی مجلس میں بیٹھنا باعثِ عزت سمجھا جاتا تھا آج ان کے پاس جانے والوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے، کل کا بہترین رفیق آج دشمن ٹھہرایا گیا اپنے بیگانے ہو گئے دوست، احباب، عزیز سب غیر ہو گئے حقیقی چچے دشمنی میں پیش پیش تھے اور یہ دشمنی بھی خاموش دشمنی نہ تھی بلکہ ہر جور و ستم آزمایا جا رہا تھا جس راہ سے حضور علیہ السلام کا گزر ہوتا وہاں کانٹے بچھا دیئے جاتے سرِ اقدس پر مٹی پھینکی جاتی اور جو چند خوش نصیب آپ کی غلامی میں آئے تھے ان پر عرصۂ حیات

تنگ کر دیا گیا رسیوں سے باندھ کر ریگزار پر لٹا دیا جاتا چھاتیوں پر بھاری پتھر رکھ دیئے جاتے کہ ہل نہ سکیں اور عاشقانِ حق کے پاک جسم تمازتِ آفتاب سے جلنے کے لئے چھوڑ دیئے جاتے غلامانِ رسول کو مار مار کر ادھ مؤا کر دیا جاتا جسم لہو لہان ہو جاتا مارنے والا تھک کر کہتا آرام کر لوں پھر ماروں گا عجیب وقت تھا باپ بیٹے کو پیٹ رہا تھا، بھائی بھائی کو جلتی ریت پر لٹا رہا تھا۔ مالک غلام کے جسموں سے خون کے فوارے نکال رہا تھا اس قوم کے ظلم و ستم کی انتہا کیا ہو گی جو اپنی لختِ جگر کو زندہ در گور کر دیتی تھی لیکن رحم و کرم کی ایک کرن اس کے سنگِ دل میں نہ جاگتی تھی کوئی ایذا ایسی نہ تھی جو ذہنِ انسانی میں آ سکتی ہو لیکن ان عاشقانِ حق پر نہ آزمائی گئی ہو ستم بالائے ستم یہ تھا کہ مکہ کی سرزمین ہر ظالم، ہر زانی، ہر فاسق، ہر فاجر اور ہر بدکردار کے لئے اطمینان کی زندگی گذارنے کے لئے کھلی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول اور ان کے جاں نثاروں سے یہ حق چھین لیا گیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آباد کی ہوئی بستی میں رقص و لہو و لعب، قمار بازی اور شراب نوشی کی ہر تقریب آزاد تھی لیکن ذکرِ حق کی محفلوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے تھے ان سب باتوں کے باوجود ہزاروں درود و سلام ہو اس ذاتِ اقدس پر جن کی ساقی گری نے توحید کے وہ جام لٹائے تھے کہ جس نے پی لیا وہ اس کے نشہ میں ایسا بے خود ہوا کہ ہر قربانی خندہ پیشانی سے پیش کی اور انگاروں پر تڑپتے ہوئے بھی لا الٰہ الا اللہ ہی وردِ زباں رہا چھری گردن پر تھی زبانِ اقدس صلِّ علیٰ سیدنا کے ترانے گا رہی تھی چشمِ فلک حیراں تھی اور کائناتِ ارضی تعجب میں ڈوب کر سوال کر رہی تھی ؎

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں!

اور ان عاشقانِ رسول کو بارگاہِ ایزدی سے ابدی حیات، نعمتِ دیدار

اور رضی اللہ عنہم و رضوعنہ کی سند مل رہی تھی ۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

حدیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور حاصل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بمع ساتھیوں کے شعبِ ابی طالب میں تین سال محصور کر کے مقاطعہ کر دیا گیا یعنی مکمل بائیکاٹ عقلِ انسانی اپنی آخری اور سنگین چال آزمانے پر تل گئی دانہ پانی بول چال بند کر دی گئی شیطان خوش ہوا کہ اس کے پرستاروں نے اب ایسا جال پھینکا ہے جس سے بچنا محال ہے لیکن عشق اس جا نگسل امتحان میں کامیاب و کامران ہو کر باہر آیا ۔

وہ پُرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں !
عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و تارِ رفو !

محبوبِ خدا جہاں بھی تشریف لے جاتے ہیں کانٹوں اور پتھروں سے استقبال ہوتا ہے جو غلام کسی کے ہتھے چڑھ جاتا ہے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا آہ انسان جو ذاتِ اقدس تجھے آگ کے شعلوں سے نجات دلانا چاہتی ہے تو اسی کا دشمن بن گیا ۔ جو تجھے عزت بخشنا چاہتی ہے تو اسی کے درپے آزار ہو گیا انسان کی بدبختی کا کیا کہا جائے کہ دوستی بھی کی تو ازلی دشمن ابلیس سے وہ ابلیس جو اسے لالچ کی آگ میں جلاتا ہے اور اس کو ایک دن جہنم کے بھڑکتے شعلوں میں جھونک دے گا ۔

حضور علیہ السلام کی مکی زندگی کے ان آلام و مصائب کو ذہن میں رکھیئے اور قرآن حکیم کی مکی سورتوں پر غور فرمایئے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ مخلوق جس کو ستا رہی ہے خالق ان کو تسلیوں پہ تسلیاں دے رہا ہے انسان جن کو گالیاں دے رہا ہے انسانوں کا رب ان کی تعریف فرما رہا ہے لوگ جس سے دور ہٹ رہے ہیں لوگوں کا خدا اس ذاتِ اقدس کو محبت سے

بھرپور انداز تخاطب سے مخاطب فرما رہا ہے زمین والے جس کو مٹانے کی سوچ رہے ہیں آسمان والا انہیں فتح و کامرانی کی بشارت دے رہا ہے گذشتہ انبیاء و مرسلین کے واقعات بیان فرما کر دُکھی دلوں کو تقویت بخشی جا رہی ہے، جن بدنصیبوں نے نبیوں کی اطاعت سے منہ موڑا ان کے حسرت ناک انجام کے واقعات بیان فرما کر کفار کو ڈرایا جا رہا ہے کہ شاید باز آ جائیں ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل آیات قرآنی :-

کفار نے کہا کہ حضور علیہ السلام دیوانے ہیں رب کریم نے فرمایا :

"قسم ہے قلم کی اور جو لکھتے ہیں آپ نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانے اور آپ کے واسطے بے حساب اجر ہے اور آپ خُلقِ عظیم کے مالک ہیں" (سورۃ القلم)

کفار نے کہا یہ کیسا رسول ہے ہماری طرح کا انسان کیوں نہ کوئی فرشتہ اتار دیا گیا۔ اس کے جواب میں رب الملائکہ نے فرمایا :

"آپ فرمائیے کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے" (سورۃ بنی اسرائیل)

"ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں پھرتے تھے" (سورۃ الفرقان)

کفار نے کہا آپ شاعر ہیں اور ساتھ کاہن بھی، رب کریم نے فرمایا :

"اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے کیا کہتے ہیں (کفار) کہ یہ افتراء ہے نہیں یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں ان لوگوں کو جن میں نہیں آیا کوئی نذیر آپ سے پہلے" (سورۃ السجدہ)

"پس قسم ہے ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور ان کی جو نہیں دیکھتے یہ قول ہے رسول کریم کا اور نہیں یہ قول کسی شاعر کا لیکن تم تھوڑا ہی

یقین کرتے ہو اور نہ ہی یہ قول ہے کسی کاہن کا لیکن تم تھوڑا ہی غور کرتے ہو، یہ رب العالمین نے نازل فرمایا ہے۔" (الحاقہ)

"یٰسین! قسم ہے قرآن مجید کی آپ بیشک رسولوں میں سے ہیں۔ صراطِ مستقیم پر جو عزیز الرحیم کی طرف سے نازل شدہ۔" (یٰسین)

"بھیجا ہم نے آپ کو بشیر (خوشخبری دینے والا) اور نذیر (ڈرانے والا) بنا کر۔" (بنی اسرائیل)

"ہم نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔" (الانبیاء)

کفار نے کہا کیوں نہ قرآن لکھا ہوا اترا تا کہ ہم مان لیتے۔ رب العالمین نے فرمایا یہ محض حجت ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ

"اگر ہم اتاریں ان پر لکھا ہوا کاغذ پر پھر ٹٹول لیں اس کو اپنے ہاتھ سے البتہ کہیں گے منکر پھر بھی کہ یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا آپ پر کوئی فرشتہ اگر ہم فرشتہ اتاریں تو فیصلہ ہو چکا پھر ان کو فرصت نہ ملے اگر ہم کوئی فرشتہ رسول کرتے تو وہ بھی صورت میں ایک مرد ہی ہوتا اور ان شبہ ڈالتے وہی شبہ جواب لائے ہیں۔"

(الانعام)

دردِ انسانیت سے معمور دلِ اقدس کفار کی زیادتیوں کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے ابنِ آدم کو شیطان کے پھندے میں گرفتار دیکھتا ہے تو حضور علیہ السلام رنجیدہ ہوتے ہیں فکر ہوتی ہے کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں رب کریم اپنے محبوب کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں :-

"ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی باتوں سے غمگین ہوتے ہیں سو وہ آپکو نہیں جھٹلاتے لیکن ظالم اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور نہ اسی طرح آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے پس انہوں نے کفار کی اس تکذیب پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری

نصرت ان تک آ پہنچی اللہ تعالیٰ کی باتیں کوئی بدلنے والا نہیں اور
آپ کو کچھ رسولوں کے احوال پہنچ چکے ہیں۔
اور جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو جو بکتے ہیں ہماری آیات میں تو ان
سے کنارہ کیجئے اگر ہم اتاریں ان پر فرشتے اور کلام کریں اُن سے
مُردے اور زندہ کریں ہر چیز ان کے سامنے پھر بھی وُہ ایمان لانے
والے نہیں مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ یہ اکثر ناداں ہیں۔" (الانعام)

محبت کی زبان سمجھنے والے جانتے ہیں کہ محبوب کو کس طرح مخاطب
کیا جاتا ہے خالقِ کائنات اپنے محبوب سے مخاطب ہیں ارشاد ہے :-
"اے کملی اوڑھنے والے رات کو جاگا کریں لیکن تھوڑا آدھی رات
یا اس سے کچھ تھوڑا یا زیادہ اور پڑھا کریں قرآن آہستہ آہستہ"
(سورۂ المزمل)

المزمل کملی اوڑھنے والے کون سے الفاظ ہوں جو اس محبت کا اندازہ لگا
سکیں جو اس خطاب میں پوشیدہ ہے ؎

تو مرا ذوقِ بیاں دادی و گفتی کہ بگو!
ہست در سینۂ من آنچہ بکس نتواں گفت (اقبال)

ترجمہ: تو نے مجھے ذوقِ بیاں عطا فرما کر کہا کہ کہہ، لیکن میرے سینہ میں وہ راز
ہے جو کسی سے نہیں کہہ سکتا۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے واسطے
پیدا فرمایا ہے لیکن محبوب خدا سے فرمایا جا رہا ہے رات کو تھوڑا جاگئے آپ کے
پاؤں مبارک پر ورم ہم نہیں دیکھ سکتے۔
حضور علیہ السلام استراحت فرما ہیں جسم اطہر لحاف سے ڈھانپا ہوا
ہے رب کریم کو یہ ادا پسند آتی ہے ارشاد ہوتا ہے :-
" اے لحاف میں لیٹے ہوئے (المدثر) اٹھئے اور ڈرائیے لوگوں کو

اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے :-

عاشق کا پیغام محبوب کے لئے والہانہ عمل کا پیغام ہے حضور علیہ السلام سرگرم عمل ہوتے ہیں محبوب کی تکلیف پھر دیکھی نہیں جاتی مالکِ ارض وسماوات پھر فرماتا ہے :-

"طٰہٰ ! ہم نے قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ رنج ومحنت میں پڑیں وہ تو اس لیئے نازل ہوا کہ جو دل ڈرنے والا ہے اس کے لئے نصیحت ہو"

یہی وہ پیغامِ حق تھا جس نے اسلام کے فرزندِ جلیل اور رسول کریم کے خلیفۂ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا گھر سے چلے تھے کہ محبوبِ خدا کا سر قلم کرنا ہے (معاذ اللہ) ربِ کریم کو حضور علیہ السلام پر فدا دیکھا تو طوقِ غلامی گلے میں ڈال کر محبوبِ خدا کے قدموں میں گر پڑے۔ ع

"دوستاں خرم کہ بر منزل رسید آوارہ"

کوئی کہاں تک لکھے قرآن کریم کھولیئے اور محبت کے ان بے مثال ، اندازہائے تخاطب سے لطف اٹھایئے اور پھر داد دیجئے ان بزرگوں کو جو مسلمان ہی نہیں خود کو عالمِ دین کہتے ہیں اور جن کا ارشاد ہے کہ قرآن کو سمجھنا ہمارے بغیر مشکل ہے حالانکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ میں آسان زبان میں اتارا گیا ہوں ، ہے کوئی سمجھنے والا اور ان کی سمجھ کا یہ حال ہے کہ روزانہ ان آیات کو پڑھتے ہیں رب کریم کے محبوب کی عظمتوں کو جانتے ہیں لیکن جب قُل کا ترجمہ فرمائیں گے تو "کہو" ہی نظر آئے گا کیا وجہ ہے کہ قُل کا ترجمہ کہیئے یا ارشاد فرمایئے نہ کیا جائے جب حضور علیہ السلام کی سیرت پاک لکھنے بیٹھیں گے تو ارشاد ہوگا "محمد نے کہا" ، کاش وہ قلم ٹوٹ جائے جو اتنے بھی آداب سے واقف نہیں کہ یہ فقرہ کتنا دل آزار ہے جب آپ انگریزی زبان کے یوٹا ۲۵

کا ترجمہ کسی کیلئے جناب یا آپ کو سکتے ہیں تو عربی کے فعل کا ترجمہ فرمائیے کیوں نہیں کر سکتے واحد غائب کا صیغہ سردارِ دو جہان کی شان میں استعمال کرنے سے محبت کی کونسی رسم ادا ہوتی ہے سردارِ دو جہاں کی شان تو خدا حضور علیہ السلام کے رب سے پوچھئے جو اصحابِ رسول جیسی مقدس و مطہر ہستیوں کو تاکید فرما رہے ہیں کہ حضور علیہ کی آواز سے اپنی آوازیں پست رکھو ایسا نہ ہو کہ آپ کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور آپ کو خبر تک نہ ہو۔

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے)

سینا است کہ فاراں است یارب چہ مقام است ایں
ہر ذرۂ خاکِ من چشمے است تماشا مست

معراجِ مصطفےٰ

واقعۂ معراج کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ ان حوصلہ شکن حالات پر نظر رکھی جائے جو اس وقت حضور علیہ السلام کو درپیش تھے کفار کے مظالم کی حد ہو گئی تھی غلامانِ رسول ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے آوازِ حق کو دبانے کے لئے تمام طاغوتی طاقتیں متحد تھیں اور رسول پاک کی دعوتِ حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہو رہا تھا نبوت کے دس سال گذر چکے تھے اور تمام سالوں میں ایک دن بھی عاشقانِ حق کو چین و آرام نصیب نہیں ہوا تھا۔

مؤرخین متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کے قلبِ اطہر کا سہارا سیدنا حضرت ابوطالب اور حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی سال اس جہاں سے تشریف لے گئیں نیک و غمگسار رفیقۂ حیات کا داغِ مفارقت دے جانا یوں بھی صدمۂ عظیم ہوتا ہے لیکن ایسے حالات میں جب سارا مکہ دشمن ہو اور بھی زیادہ حادثہ بن جاتا ہے، شفیق و محترم چچا مدتوں کی رفاقت سے محروم کر گئے

نوعِ انسانی کی غمگسار ذاتِ اقدس کا سارا سکون لٹا ہوا نظر آتا ہے ایسے حالات میں ربِ کریم نے اپنے محبوب کو معراج کی فضیلتِ مخصوصہ سے سرفراز فرمایا تاکہ قلب اطہر پر جو غم کے بادل چھائے رہتے ہیں وہ چھٹ جائیں اور حضور علیہ السلام اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی آیات ملاحظہ فرمائیں ہر کوئی جانتا ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ اسی لئے حضرت خلیل علیہ السّلام نے التجا کی تھی کہ بارِ الٰہا تو مُردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا حکم ہوا کیا آپ کو یقین نہیں آپ نے فرمایا یقین تو ہے لیکن دیکھنے سے اطمینانِ قلب ہو جائیگا چنانچہ آپ کو دکھایا گیا کہ مُردوں کو کیسے زندہ کیا جائے گا۔

ہزاروں سال پہلے حضرت کلیم علیہ السّلام کو رَبِّ اَرِنِی کے جواب میں لَن تَرَانِی فرمایا گیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی زبانِ اقدس سے وُہ بات نکل گئی تھی جس نے ہونا ضرور تھا جس کا وقت وُہ نہیں تھا بلکہ عشق کو کئی منزلیں طے کرنی باقی تھیں آپ یوں سمجھئے کہ کسی فلسفہ یا سائنس کا ایک ابتدائی اصول اپنی تمام منازل طے کرتا ہوا کمال کو پہنچتا ہے کون جانتا تھا کہ ابتدائی ہوائی جہاز بنانے والے کے ذہن میں آج کے جیٹ طیارے بھی تھے یہی حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے رَبِّ اَرِنِی کی تھی لیکن لَن تَرَانِی نے بدلنا تھا کیونکہ عشق اس راہ پر گامزن ہو چکا تھا آخر کہاں تک لن ترانی کہا جاتا وقت آیا کہ خالقِ کُل نے ارشاد فرمایا :-

"پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو رات کے مختصر حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں تاکہ دکھا دیں اُن کو قدرت کے نمونے" (بنی اسرائیل)

یاد رہے کہ واقعہ معراج کا بیان ہی "پاک ہے وُہ ذات" سے شروع ہوا جو واضح کر رہا ہے کہ کوئی خلافِ معمول بات ہوئی ہے اور کرنے والی وُہ ذات عظیم اور قادرِ مطلق ہے جس کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے

کرتا ہے اور اس کی قدرتوں کا یہ حال ہے کہ وہ جب کسی بات کے کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو حکم ہوتا ہے کن اور مشیئتِ ایزدی فیکون کا جامہ پہن لیتی ہے۔

معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کا واقعہ یا آدھی نیند میں روحانی واقعہ قرار دینے والے سوچیں اور غور فرمائیں کہ ان کا کیوں ایسا خیال ہے صرف اس لئے کہ اگر جسمانی معراج مان لیا تو اس کا جواز عقل کیا دے گی وہ نہیں جانتے کہ عقل اپنی حقیقت پر کیا کہتی ہے اور یہ نہیں سوچتے کہ معراج کرانے والی کون ذات ہے جس کی قدرتوں کو پانا عقل کے بس میں نہیں عقل سے پوچھئے کہ سخت زمین سے نرم ونازک پودا کیسے باہر آجاتا ہے، اس سے سوال کیجئے کہ موت کیسے واقع ہوتی ہے اس سے کہئے کہ یہ خود کہاں سے تشریف لائی اور اس کے بدلتے رہنے کا کیا جواز ہے ایسی ناپختہ شے پہ کیا بھروسہ لہٰذا

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے!

پھر سوچئے کہ خواب میں کسی واقعہ کا پیش آجانا کون سا کمال ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بوضاحت فرمایا گیا اور فرمایا بھی اس شان سے کہ اس واقعہ کو جس نے کیا ہے وہ پاک ذات ہے آخر ہم سب خواب میں کہاں کہاں جاتے ہیں کبھی یورپ، کبھی امریکہ اور کبھی فضاؤں میں اُڑتے ہیں خیال فرمائیے کہ جب ایک غیر معمولی خواب ہی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا تو اس میں کیا کمال تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا اور خواب دکھانے والے کا کیا کمال تھا سبحان الذی یہ تو اس کا عام قاعدہ ہے کہ جو ہر انسان سے تعلق رکھتا ہے معلوم ہوا کہ ایسا نہیں تھا بلکہ سورۂ النجم کی آیات اس کی وضاحت فرما رہی ہیں۔

"اور وہ بلند ترین افق پر پہنچے پھر یہاں تک نزدیکی ہوئی کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے پر

جو چاہا وحی فرمایا اس مشاہدہ وجمال میں بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی دیکھے آپ نے رب کے بڑے بڑے نشان "

راہ یک گام ہے ہمّت کے لئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات!

حضرت غالب نے اسی حقیقت کو پاکر کیا خوب فرمایا

اس کی امت سے ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شاہ کے غالب گنبدِ بے در کھُلا

ظلم یہ ہے کہ ہم بندوں کی طاقت تو مان لیتے ہیں لیکن قادرِ مطلق کی طاقتوں کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگتے ہیں ایک عام انسان جو ہوائی جہاز کی مشینری سے بالکل ناواقف ہے جب اسے فضاؤں میں پرواز ہوتے دیکھ کر فاصلوں کو مٹاتا نظر آتا ہے تو وہ انسان کی عظمت کو اس حد تک مان لیتا ہے کہ جب انسان چاند پر کمند ڈالنے کا دعوی کرتا ہے تو فوراً یقین کر لیا جاتا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ ہزاروں میل دور سے آواز چند لمحوں میں سُن لیتا ہے تو ٹیلی وژن کو بن دیکھے ایمان لے آتا ہے کہ ہزاروں میل بولتا ہوا انسان بھی سکرین پر آسکتا ہے سائنس کی عظمتوں کا شمار کیجئے کیا آپ ان سب کی حقیقتوں سے واقف ہیں، کیا آپ جانتے ہیں کہ ابھی اور کیا ہونے والا ہے اور جب انسانی قدرت کا یہ حال ہے وُہ انسان جو باوجود ان قدرتوں اور طاقتوں کے گھاس کا ایک تنکہ پیدا نہیں کرسکا جو پانی کی ایک بوند پیدا کرنے پر قادر نہیں، جو ہوا کا ایک جھونکا تخلیق نہ کرسکا جو ابھی تک خدا کی ساری مخلوق کے نام تعین نہ کرسکا کیا انسان سے بھی اس قادرِ مطلق کی قدرت اور طاقت گئی گذری ہے جس نے انسان کو پیدا فرمایا پھر وُہ عقل عطا کی جس کی بدولت ان قدرتوں کا مالک بنا اگر انسان کا بنایا ہوا راکٹ چاند پر جاسکتا ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے کہ قادرِ مطلق اپنے محبوب پاک کو عرشِ اعظم پر لے گئے اور اپنی آیات کا مشاہدہ کرایا اگر آپ

اگر آپ غور فرمائیں تو سیدالمرسلین کے لئے یہ ضروری بھی تھا کیونکہ جمالِ حق مومنوں کا حق ہے جو اگلے جہاں میں ہوگا اس جمال کی بشارت دینے والے کیلئے ضروری تھا کہ وُہ فضل ربانی کی اس عظیم نعمت کا مشاہدہ فرمادیں کیونکہ اب وقت اس اعلان کا تھا ؎

کھُلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی !

گیا دورِ حدیث لن ترانی !

جسمانی معراج کے جواز میں ایک اور بات غور طلب ہے اور وہ ہے حضور نبی کریم علیہ السّلام کا مقامِ نبوت آپ سے پہلے جتنے انبیائے کرام تشریف لائے وہ اپنی اپنی قوم کی طرف تھے اور اس پاک و مقدس سلسلہ کی کڑیاں بدستور جاری تھیں سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان تھا کہ میں تمام بنی نوعِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور انبیاء کے سلسلہ کی آخری کڑی ہوں اللہ تعالیٰ نے اب اس سلسلہ کو خاتم النبیین کی مُہر لگا کر بند کر دیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ السّلام کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ہے اور اس زمانہ میں موجودہ دور بھی آنا تھا جب وقت اور فاصلے مِٹ گئے مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہونے لگا اور انسان چاند پر پہنچا اور دنیا کے ایک کونہ سے اٹھی ہوئی آواز دوسرے کونے میں سُنی جانے لگی اس ایٹمی دور کی ترقیوں پر نظر رکھیئے اور فرمایئے کہ جو نبی ایسے دور کے بھی نبی ہوں کیا قادرِ مطلق کے لئے ضروری نہ تھا کہ ان کو وہاں لے جائے جہاں کوئی بھی نہ جا سکے اور آج کا انسان اپنے عظیم المرتبت نبی کریم کے بلند ترین مقام کو مدِ نظر رکھ کر پرواز کی ساری منزلیں طے کرتا جائے۔

؎ سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں !

غرضیکہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ حضور علیہ السّلام ہر امکانی بلندی سے بلند پرواز ہوں تاکہ نوعِ انسانی میں

سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے کہ اس نے وُہ کیا جو انبیاء کرام نہ کر سکے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ واقعہ معراج کے تھوڑی دیر بعد (غالباً ایک سال) اسلام کی سطوت و شوکت کا دور شروع ہو جاتا ہے دس سال ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والے راکب ایام بنتے ہیں اپنے وطنِ عزیز سے بے بسی کے عالم میں ہجرت کرنے والے ظالموں اور سرکشوں کی تنی ہوئی گردنیں توڑ دیتے ہیں وُہ نفوسِ قدسیہ مکہ کی سرزمین جن پر تنگ کر دی گئی تھی ان کے گھوڑوں نے دنیا کے بہت بڑے حصّے کو پامال کر کے رکھ دیا وہ منتخب روزگار جن کو مٹانے کا ہر منصوبہ باطل نے آزمایا وُہ باطل کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکتے ہیں ان سارے واقعات کی تمہید واقعہ معراج تھا اور بلاشبہ اس واقعہ کو اپنی جگہ فہم و دانش کے لئے اتنا ہی حیران کن ہونا چاہیئے تھا جتنا اس کے بعد ہونے والے واقعات تھے کیا مؤرخ آج بھی حیرت و استعجاب میں ڈوب کر سوال نہیں کرتا کہ وہ کیا وجہ تھی جب تین سو تیرہ نہتوں نے ہزاروں کی مسلح فوج کو شکست فاش دی تھی کائنات نے یہی دیکھ کر کہا تھا ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے!

مقامِ محمود

سورۂ بنی اسرائیل جس کی ابتداء واقعہ معراج سے ہوئی ہے میں ارشادِ ربانی ہے:۔

"اے حبیب رات کا کچھ حصّہ شب بیداری میں بسر کیجئے یہ آپ کے کے لیے ایک مزید عمل ہے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک

ایسے مقام پر پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہے (مقامِ محمود)
مقامِ محمود ایک ایسا مقام ہے جو عظمت و ارتفاع کی سب سے آخری منزل ہے حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیتِ خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جاتی ہے کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو کوئی نسل ہو لیکن کروڑوں دلوں میں آپ کی ستائش ہو گی ان گنت زبانوں پر آپ کی مدح طرازی ہو گی۔ محمودیعنی سرتاسر ممدوح ہستی اس سے بڑھ کر رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اُڑ سکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے سکندر کی ساری فتوحات خود اس کے عہد اور ملک کی ستائش اسے نہ دلا سکیں نپولین کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کر سکیں کہ کورسیکا کے چند غدار باشندوں ہی میں اسے محمود و ممدوح بنا دیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں حُسن و کمال ہو کیونکہ روحیں حُسن سے ہی عشق کرتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں لیکن حُسن و کمال کی مملکت وُہ مملکت نہیں جسے شاہنشاہوں اور فاتح کی تلواریں مسخر کر سکیں۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی مقام کا مشہد وُہ معاملہ ہو گا جو قیامت کے دن پیش آئے گا جب کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا عَلَم حضور علیہ السّلام بلند فرمائیں گے اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لئے ہے جو ہستیٔ اقدس یہاں محمودِ خلائق ہے وہاں بھی محمود و ممدوح ہو گی

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

آخرت کی بات تو بعد کی ہے دیکھیئے کہ دُنیا میں مقام محمود کا کیا مرتبہ ہے جو خوش نصیب دستِ اقدس پر غلامی کی بیعت فرماتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے :-

"بلا شبہ وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو شخص قول توڑتا ہے وہ اپنے نقصان کے لئے ہی توڑتا ہے اور جو اس کو پورا کرتا ہے جس کا اس نے اللہ تعالیٰ سے اقرار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اجرِ عظیم دے گا" (سورۃ الفتح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا عہد کرنا، اللہ تعالیٰ کی غلامی کا عہد ہوا جس نے یہ عہد توڑا نقصان میں رہا جس نے پورا کیا اجر عظیم کا سزاوار ٹھہرا جن کی غلامی میں اجرِ عظیم ہو ان کی شان کا کوئی کیا کہے۔

غلامی اختیار کرنے کے بعد غلاموں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ یہ گمان بھی کریں کہ آقا ان کی مدد کا محتاج ہے اور ان کی غلامی سے آقا کی عزت ہے۔ دنیا کا کوئی بادشاہ، کوئی لیڈر، کوئی رہنما بغیر غلاموں کی مدد کے کامیاب نہیں ہو سکتا لیکن سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کچھ اور ہے، یہاں کی ریت ہی اور ہے، معیار ہی اور ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

"اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو نہ کرو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی ہے جب کافروں نے ان کو اس حال میں گھر سے نکالا تھا کہ صرف دو تھے ایک اللہ تعالیٰ کے رسول تھے اور دوسرے (صدیق اکبر) جب دونوں غار (ثور) میں چھپے بیٹھے تھے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی سے فرمایا تھا غمگین نہ ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنا سکون و قرار اس پر نازل فرمایا اور پھر ایسی فوجوں سے

مددگاری کی جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے اور بالآخر کافروں کی بات پست کی اور تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات ہے جس کے واسطے سربلندی ہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔" (سورۃ التوبہ)

آپ پر احسان رکھتے ہیں اپنے مسلمان ہونے کا آپ فرمادیجئے کہ مجھ پر اپنی مسلمانی کا احسان مت رکھو بلکہ اگر حقیقت دیکھو تو یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی طرف ہدایت فرمائی۔"

اور یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ حضور علیہ السلام ہی کی ذاتِ اقدس کا فیض تھا جس کی بدولت عذابِ الٰہی ٹلتا رہا جونہی آپ نے ہجرت فرمائی مکہ والے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار بنے ارشاد ہے:۔

"اور اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والا نہ تھا کہ آپ ان کے درمیان ہوں اور پھر انہیں عذاب میں ڈالے لیکن اب کہ آپ کو مکہ چھوڑ دینے پر انہوں نے مجبور کر دیا ہے کون سی بات رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے۔" (سورۃ الانفال)

اصحاب رسولِ پاک کے ادب واحترام سے کون واقف نہیں جب بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے تھے تو دم بخود سرنگوں بیٹھے رہتے تھے جب حضور علیہ السلام کو مخاطب فرماتے تو یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں سے بات شروع کرتے تھے دُنیا کا کوئی رشتہ اور مال ودولت کی کشش ان غلامانِ رسول کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھاری نہ تھی ایسے پروانوں کو بھی بارگاہِ رسول کے آداب سکھانے ربّ کریم نے ضروری سمجھے ارشاد ہے:۔

"اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے

اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ سُنتا ہے اور جانتا ہے اے ایمان والو اونچی نہ کرو اپنی آواز نبی کریم علیہ السّلام کی آواز سے اور مت بولو ان سے کھک کر جیسے کھکتے ہو ایک دوسرے پر کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے سارے اعمال اور تم کو خبر تک نہ ہو. جو لوگ دبی زبان میں بولتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے دلوں کا امتحان کر لیا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لئے ان کے ان کے واسطے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم ہے" (سورۃ الحجرات)

"جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو دیوار کے باہر سے وُہ اکثر عقل نہیں رکھتے اور اگر صبر کرتے وہ جب آپ ان کی طرف باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے (الحجرات)

آیاتِ مذکورہ کے ایک ایک حرف پر غور فرمایئے حضور علیہ السّلام کی بارگاہِ عالی میں اونچی آواز سے بولنا کھک کر بات کرنا سارے اعمال ضائع کر دینے کی حرکتیں ہیں اور ایسی صورت میں کہ انسان کو پتہ بھی نہ لگے کہ ذرا سی گستاخی نے ساری عمر کی عبادتوں اور ریاضتوں پر پانی پھیر دیا تیار کھیتی کٹ کے رکھ دی گئی، حضور علیہ السّلام کو دیوار کے باہر سے بلند آواز سے پکارنا نادانوں کا عمل کہا گیا ہے کاش آج کا مسلمان اور ہمارے علمائے کرام غور فرمائیں کہ جب آپ واحد غائب کا صیغہ استعمال کرتے ہیں تو وہ اس آیت پر کہاں تک عمل کرتے ہیں یاد رہے کہ ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

ترجمہ: زیرِ آسمان یعنی بر زمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس عرشِ اعظم سے بھی نازک تر جائے ادب ہے اور اس کی عظمت و

جلال کی وجہ سے حضرت جنید علیہ الرحمۃ اور حضرت بایزید علیہ الرحمۃ جیسے اولیاء اللہ یہاں اونچا سانس تک نہیں لیتے "

کون نہیں جانتا کہ ازواج مطہرات ادب و احترام کا نمونہ تھیں اللہ تعالیٰ نے ان محترم ہستیوں کو امت کی مائیں فرمایا ہے لیکن جب ہماری مقدس ماؤں سے ذراسی لغزش ہوئی تو محبوب کے عاشق نے ان کا سارا ناز ہوا کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"اگر وہ دونوں توبہ کرتیں تو ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاتے اور اگر نبی کریم علیہ السلام سے مقابلہ کروگی تو اللہ تعالیٰ ان کا رفیق ہے جبریل علیہ السلام، نیک مومن اور فرشتے ان کے مددگار ہیں اگر ہمارا نبی تم سب کو طلاق دے دے تو ان کا رب تمہارے بدلے میں ان کو تم سے بہتر، فرمانبردار، مومن، نماز گذار، توبہ کرنیوالیاں عبادت گذار، روزہ دار، بیاہیاں اور کنواریاں عورتیں عطا فرما دے گا" (سورۃ التحریم)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے بہتانِ عظیم باندھا قلب اطہر کو دکھ ہوا اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ اے محبوب پاک غمگین نہ ہوں یہ صرف اور صرف بہتان ہے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ معصوم ہیں ارشاد ہے:۔

"جن لوگوں نے یہ طوفان کھڑا کیا ہے وہ تم میں سے ایک جماعت ہے اے حبیب! اس بات کو آپ اپنے حق میں برا نہ سمجھیں بلکہ آپکے حق میں بہتر ہے یہ صریح بہتان ہے اور طوفان لانے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت آپ پر دنیا اور آخرت میں تو اس چرچا سے آپ پر کوئی آفت آپڑتی ان لوگوں نے اس کو ہلکی بات سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے جب انہوں نے اس کو سُنا تھا تو کہتے کہ ہم کو یہ بات کہنی زیب نہیں دیتی یہ بہتان عظیم ہے اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھاتا ہے کہ ایسا کام پھر نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔" (سورۃ النور)

مشتاقان جمال جہاں آرا ہر وقت شمع رسالت کے گرد پروانوں کی طرح حاضر رہتے تھے انسانی فطرت سے مجبور کبھی کبھی ایسا سوال بھی کر بیٹھتے تھے جس کے جواب کا ان میں یارہ نہ تھا رب رحیم و کریم کو پروانوں کی یہ ادا پسند نہ آئی۔ حکم ہوا:۔

"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق مت سوال کرو جو اگر کھول دی جائے تو تم کو بُری لگے اور اگر پوچھو گے جس وقت قرآن اتر رہا ہے تو یقیناً وہ کھولی جاوے گی اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمایا اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے آپ سے پہلے ایک قوم ایسی باتیں پوچھ چکی ہے پھر جلد ہی اس سے منکر ہو گئے۔" (سورۃ المائدہ)

جن بدبختوں نے اطاعت رسول کا اقرار کرکے راہِ فرار اختیار کی ان کے متعلق ارشاد ہے:۔

"جو لوگ منکر ہوئے اور مر گئے منکر ہی وہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی، لوگوں کی اور سب کی طرف سے لعنت ہے۔"

(سورۃ بقرہ)

منکر ہونا جانیئے، سوچیئے اور پھر اپنی زندگی کو اس کسوٹی پر پرکھیئے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں خدا تعالیٰ کے رسول کریم کا فرمان ہے تم سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہو ہم کہتے ہیں کبھی ہوتے ہوں گے آج کل یہ قانون نہیں چلتا ہر ایک دوسرے کی گردن مارنے اور خون چوسنے کی فکر میں ہے، خلق خدا بھوک سے مرتی ہے مرا کرے ذخیرہ اندوز اُمراء اپنا کام کرتے رہیں گے، مزدور کو روٹی نہیں ملتی اپنی بلا سے مالکِ کارخانہ تو ان کا خون چوس

کر ایک اور کارخانہ ضرور لگائیے گا اللہ تعالیٰ کے رسولِ پاک کا حکم ہے سُود کے کاروبار کو مٹا دو ہم کہتے ہیں اس کے بغیر تو کوئی کام چل ہی نہیں سکتا اللہ کا اعلان ہے سُودی کاروبار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک سے جنگ ہے ہم کہتے ہیں ہوا کرے دیکھا جائے گا ابھی تو اپنی مرضی کر لینے دو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کا حکم ہے اپنی ضرورت سے زیادہ مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ کر دو ہم کہتے ہیں کب لاکھ پورے ہوں تو دو لاکھ کی فکر کریں غرضیکہ ایک لامحدود سلسلہ چل رہا ہے لبوں پر اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم کا نام ہے لیکن اعمال وُہ ہیں جن کو دیکھ کر ابلیس بھی ندامت سے سر جُھکالے غور فرمایئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

"آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک یہ اپنے اختلافات میں آپ کو حاکم نہیں بنائیں گے اور پھر اس کے بعد آپ کے حکم سے متعلق وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں گے اور پورے طور پر اس کو تسلیم نہیں کریں گے" (سورۃ الفتح)

کوئی کیا کہے کہ حضور علیہ السّلام کا حکم کیا درجہ رکھتا ہے آیت بالکل واضح ہے اور یہاں تک تاکید ہے کہ محبوبِ خدا کے فیصلوں کو اس یقین سے مانو کہ یہی برحق ہے اور بہترین فیصلہ یہی ہے اس طرح کہ آپ کا دل حضو علیہ السّلام کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے میں مسرت و اطمینان محسوس کرے نہ کہ تنگی و ترشی ورنہ مومن کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا ۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نرسیدی، ہمہ بُولہبی است

ناظرین غور فرمائیں تو باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کو سارے رشتوں تعلقوں اور نسبتوں سے کاٹ کر اپنا بنا لیا ہے اصحابِ رسول کو حکم ہے

کہ آپ یہ احسان مت رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی مدد کر رہے ہیں نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کا وجودِ اقدس آپ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور وہی ان کی مدد فرما رہا ہے عاشقوں کو پروانہ بنانے کے آداب سکھائے جا رہے ہیں کہ ہمارے محبوب کا ادب ہر حالت ملحوظ رہے ورنہ ساری عبادتیں اور ریاضتیں ضائع کر دی جائیں گی اور تمہیں کانوں کان خبر نہ ہوگی امہات المومنین ازواج مطہرت کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ہمارے محبوب کو عورتوں کی کمی نہیں اگر وہ آپ سب کو طلاق دے دیں تو ہم ان کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دیں گے ارشاد ہے :-

"اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی پکار کا جواب دو جب وہ پکارتے ہیں تاکہ تمہیں زندہ کر دیں ۔" (الانفال)

مقامِ محمود وہ بلند ترین مقام ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں ساری عظمتیں سرنگوں نظر آتی ہیں بلکہ یوں سمجھئے کہ وہ مقام جہاں سے دنیا جہاں کی عظمتیں تقسیم ہوتی ہیں اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی پکار کا جواب دو تاکہ تمہیں زندگی بخش دیں ——

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید !

وز رسالت در تنِ ما جاں دمید (اقبال)

باری تعالیٰ نے ہمارا جسم پیدا فرمایا لیکن زندگی رسالت کی مرہونِ منّت ہے مقامِ محمود کی انتہائی بلندی ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبّت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبّت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔" (آل عمران)

اللہ تعالیٰ کی محبّت کا دم بھرنے والوں کا رُخ حضور علیہ السلام کی

اطاعت کی طرف موڑ دیا گیا ہے اللہ اللہ تیری کریمی پہ قربان ہمیں اس ذات کا امتی بنایا جنکی اطاعت سے تیری محبت حاصل ہوتی ہے یعنی تو خود محبت کرنے لگتا ہے قارئین خود اندازہ فرمائیں کہ محبت کی یہ کونسی منزل ہے اور من وتو کا نشان کہاں ہے بلاشبہ خالق خالق ہے، محبوب محبوب لیکن یہ فرمانے والا کون ہے کہ میرے محبوب کی اطاعت کرو اور اس خلوص سے کرو کہ ان کے فیصلوں سے دل میں سکون و اطمینان محسوس کرو اگر ایسا کروگے تو میں تم سے محبت کروں گا اور ضرور کروں گا ۔

عاشقی محکم شو از تقلید یار
تا کمند تو شود یزداں شکار (اقبال)

(اگر تجھے تاجدارِ مدینہ، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین کی محبت کا دعوٰی ہے تو ان کی اطاعت میں یوں دیوانہ ہو جا کہ خدائے خدائے بزرگ و برتر تیری کمند کا شکار بن جائے)

عاشقِ رسول اس صدی کے ترجمانِ حقیقت حضرت علامہ اقبال نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تقلید، حضور علیہ السلام کی اطاعت، حضور علیہ السلام کا عشق ہی وہ کمند ہے جو اللہ تعالٰی کی محبت کو گرفتار کر لیتی ہے ایک اور جگہ آپ نے فرمایا ہے۔

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدۂ صدیق اگر
قوت قلب و نظر گردد نبی!
از خدا محبوب تر گردد نبی

(جو کچھ میں نے کہا ہے اگر اس کی تحقیق مقصود ہے تو حضرت ابوبکر صدیق کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے پھر معلوم ہو گا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قلب و نظر کی قوت بن جاتے ہیں اور خدا سے محبوب تر)

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیشمار جگہ اطیعوا اللہ (اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو) کا حکم دیا گیا ہے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اطیعوا اللہ کے ساتھ واطیعوا الرسول نہ فرمایا گیا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم کی اطاعت کرو) بلکہ یوں بھی ارشاد ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی (سورۃ النساء) اطاعتِ رسول کی پابندی یہاں تک ضروری اور لازمی قرار فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ان خوش نصیبوں سے کرے گا جو اطاعتِ رسول میں کامران ہوں گے۔

؎ تا توانی گردن از حکمش مپیچ!
تا نہ پیچد گردن از حکمِ تو ہیچ!

ترجمہ: جہاں تک ہو سکے ان کی حکم عدولی نہ کرو، تاکہ کوئی چیز تمہارے حکم سے سرتابی نہ کرے"

سلطانِ دو جہاں، سرورِ کائنات، محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اصحابِ رسول کو جو عظمتیں نصیب ہوئیں ان سے ہر کوئی آگاہ ہے اصحابِ رسول کے باب میں مختصر عرض بھی کیا جا چکا ہے یوں سمجھئے کہ آپ کی اطاعت نے آگ کے گڑھے سے نکال کر کونین کی دولتیں قدموں میں ڈال دیں ؎

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست (اقبال)

ترجمہ: جس کسی کو عشقِ مصطفےٰ کی دولت نصیب ہو گئی، بحر و بر اس کے گوشۂ دامان میں سما گئے"

اور یہ حقیقت ہے کہ جس کسی نے بھی عشقِ مصطفیٰ کو زندگی کا سامان بنایا بحر و بر کی تمام وسعتیں اس کے گوشۂ دامان میں سما گئیں تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

میں ناظرین کی خدمت میں وُہ واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں جب سرورِ عالم محبوب خدا، احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے چند اصحاب سے لغزش ہوئی تھی اور اس کی سزا کیا تھی تاکہ چشمِ بصیرت عبرت آموز ہو سکے۔

یہ جنگِ تبوک کا واقعہ ہے اور ۹ھ سے تعلق رکھتا ہے حضور علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ قیصرِ روم مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے چنانچہ نبی کریم نے جنگ کی تیاری اور کوچ کا حکم دے دیا لیکن ظاہری حالات ناموافق تھے ایسے کہ بعض نو مسلموں کو طرح طرح کے وسوسے پریشان کرنے لگے مسلمان چند ماہ پہلے حنین اور طائف میں چُور ہو چکے تھے ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی پھر گرمی کا موسم وطن سے دُور جنگ وُہ وجوہات تھے جن کی بنا پر بعض طبیعتوں میں فتور آگیا جن کی تعداد کچھ اوپر اسّی بیان کی گئی ہے سورۃ التوبہ میں ان کے متعلق ارشاد ہے :-

" اے محبوب آپ کا بلاوا اگر کسی ایسی بات کے لئے ہوتا جس میں قریبی فائدہ نظر آتا اور ایسے سفر کے لئے جو آسان ہوتا تو یہ منافق بلا تأمل آپ کے پیچھے ہو لیتے لیکن انہیں راہ دور کی دکھائی دی اور قسمیں قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور آپ کے ساتھ نکلتے افسوس یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں "

اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جنھوں نے فرمانِ رسول سُننے کے بعد طرح طرح کے بہانے تراشنے شروع کر دیئے تھے کسی نے کہا میں عورتوں کی

رکھوالی کروں گا، کسی نے کہا میں لاچار ہوں زادِ راہ نہیں رکھتا غرضیکہ کچھ نہ کچھ حیلہ جوئی کر کے بارگاہِ رسالت میں درخواست کی کہ انہیں مدینہ منورہ رہنے کی اجازت دی جائے ۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ مُلّا ہے، نہ زاہد، نہ فقیہ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی دل شکنی نہ فرمائی اور بہتوں کو اجازت مرحمت فرما دی ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :-

"اے محبوب! اللہ آپ کو بخشے آپ نے ایسا کیوں کیا کہ ان کی منافقانہ غدر داریوں پر ان کو پیچھے رہنے کی رخصت دے دی اس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ آپ پر کھل جاتا کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں ۔" (سورۂ التوبہ)

اندازِ خطاب میں محبت کی تجلیاں دیکھئے منافقین کی چالوں کو کھل کر سامنے آنے کا درس دیا جا رہا ہے تاکہ یہ حقیقت معلوم ہو سکے کہ دودھ پینے والے مجنوں کتنے ہیں اور جمالِ جہاں آرا پر پروانہ وار نثار ہونے والے کون لوگ ہیں ۔

قتل گاہِ محبت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا!

یہی جنگ تھی جس میں حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ پیش کئے تھے، حضرت ابو الضا(؟)ری رضی اللہ عنہ نے رات بھر کھیت میں آب پاشی کر کے دو سیر چھوہارے مزدوری میں حاصل کئے تھے اور وہ چھوہارے محبوب کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے تھے، پروانۂ رسالت حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گھر کا سارا اثاثہ خدمتِ اقدس میں لا کر رکھ دیا تھا حتیٰ کہ کرتے کی گھنڈیاں بھی توڑ کر حاضر خدمت کر دی تھیں، اور جب محبوبِ خدا نے دریافت فرمایا تھا کہ بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ

آئے ہو، تو اس پیکرِ صدق و صفا نے جواب میں عرض کیا تھا ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے خدا کا رسول بس!

جو لوگ بہانہ بنا کر شریکِ جہاد نہ ہو سکے تھے ان کے متعلق ارشاد ہے ایک ایک حرف عبرت آموز ہے:۔

"جو لوگ بہانہ بنا کر شریک نہ ہوئے اور پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ اس بات پر خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی خواہش کے خلاف اپنے گھر بیٹھے ہیں انہیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں انہوں نے لوگوں سے کہا تھا اس گرمی میں گھر کا آرام چھوڑ کر کوچ نہ کرو۔

اے محبوب آپ فرمایئے دوزخ کی آگ کی گرمی تو اس سے کہیں زیادہ ہوگی اگر انہوں نے سمجھا ہوتا تو کبھی اس حالت پر خوش نہ ہوتے اچھا یہ تھوڑا سا ہنس لیں پھر ان کو اپنی بد عملی کی پاداش میں بہت رونا ہے جو یہ کماتے رہے اگر اللہ تعالیٰ نے آپکو ان کے کسی گروہ کی طرف صحیح و سلامت لوٹا دیا اور پھر کبھی موقعہ پر جہاد میں نکلنے کی اجازت مانگیں تو اس وقت آپ فرما دینا نہ تم میرے ساتھ کبھی نکلو اور نہ کبھی میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کیساتھ گھروں میں بیٹھے رہو۔

اے محبوب اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ کبھی ان کے جنازہ پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حالت میں مرے کہ ہدایت سے باہر تھے"

پناہ بخدا! محبوبِ خدا کے ایک حکم سے بچنے کے لئے حیلہ تراشیوں کی یہ سزا کہ دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں چھین لی گئیں البتہ چند روز ہنسنے کی اجازت دی گئی کیونکہ اس کے عوض ساری عمر کا رونا ہے کاش ہم جان سکیں کہ حکمِ رسول سے ہماری ڈھیر ساری حیلہ تراشیوں کا کیا انجام ہو گا البتہ نجات کا حق اس شخص کو پہنچتا ہے جو صدقِ دل سے اپنی سرتابی اور حکم عدولی پر نادم ہو اور کمالِ صدق و صفا سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال سکے۔

مسلمانوں کا گروہ جو ان منافقین کے داؤ میں آ گیا تھا انہوں نے معافی مانگی حضور علیہ السلام نے معاف فرما دیا لیکن تین حضرات نے بارگاہِ رسالت میں جھوٹی موٹی بات بنا کر معذرت نہ چاہی بلکہ اپنی غلطی بیان کر دی حضور نے ان بزرگوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دیا اور ان کو معلق چھوڑ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ندامت، اضطراب اور پشیمانی کو دیکھ کر ان کی توبہ بھی قبول فرما لی اور ارشاد ہوا:-

"اسی طرح ان تین شخصوں پر بھی اس کی رحمت لوٹ آئی جو معلق حالت میں چھوڑ دیئے گئے تھے اور اس وقت لوٹ آئی جب کہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان کے لئے تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ ہو گئے تھے اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر انہیں پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اس کے دامن میں پس اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان لوٹ آیا تاکہ وہ رجوع کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بڑا توبہ قبول کرنیوالا بڑا ہی رحمت والا ہے"

یہ تین حضرات کون تھے عام مسلمان نہیں بلکہ کعب بن مالک، جو ان سابقین انصاری میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں بیعت کی تھی ہلال بن امیہ

اور مرارہ بن ربیع دونوں ان جانثاروں میں سے ہیں جنہوں نے جنگِ بدر میں عاشقانِ رسول کے شانہ بشانہ باطل سے ٹکر لی تھی ان سعادتوں کے باوجود محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں نہ نکلنے کی کوتاہی پر پچاس دن تک خدا کی زمین ان پر تنگ کر دی گئی اور تمام مسلمانوں نے حتیٰ کہ ان کی بیویوں نے بھی ارشادِ نبوی کی تعمیل میں ان سے مقاطعہ کر لیا انہوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ ان کے عزیز و اقارب تک ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے ایسی حالت میں کیسے زندگی کی تمنا ہو سکتی ہے بلاشبہ وہ اپنی جان سے بھی تنگ آچکے تھے ان تینوں حضرات میں سے حضرت کعب بن مالک نے خود اپنی سرگذشت تفصیل سے بیان فرمائی ہے جو ناظرین کے لئے درسِ عبرت ہے حضرت کعب فرماتے ہیں:

"تمام جنگوں میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی اور جنگ تبوک پر بھی فیصلہ کر لیا تھا لیکن ایک کے بعد ایک دن نکلتا گیا اور میں اس خیال میں رہا کہ اپنے معاملات نپٹا لوں تو نکلوں یہاں تک کہ آج کل ہوتے ہوتے پورا وقت نکل گیا اتنے میں خبر اڑی کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تب میری آنکھیں کھلیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا حضور علیہ السلام حسبِ معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے اور جو لوگ کو بیچ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آ آ کر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے یہ کچھ اوپر اسّی آدمی تھے انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا حضور علیہ السلام نے قبول فرمایا اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جب میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی

جھوٹی موٹی معذرت بنا کر عرض کر دیتا جو سچی بات تھی عرض کر دی آپ نے سُن کر فرمایا اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ دے دے میں نے لوگوں سے پوچھا اور بھی کسی کو ایسا حکم دیا گیا ہے لوگوں نے کہا ہاں مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کو بھی یہی حکم ملا ہے۔

اس کے بعد حضور علیہ السّلام کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات نہ کرے ارشاد ہوتے ہی سب نے منہ پھیر لیا اچانک دُنیا کچھ سے کچھ ہو گئی گویا کل تک جس دنیا میں تھا وُہ دنیا ہی نہ رہی تھی۔ میرے دونوں شریکِ ابتلا گھروں میں بند ہو کر بیٹھ گئے لیکن میں سخت جان تھا اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا مسجد میں حاضری دیتا جماعت میں شریک ہوتا اور پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد حضور علیہ السّلام کے قریب جا کر سلام عرض کرتا اور اپنے جی میں کہتا دیکھوں سلام کے جواب میں حضور علیہ السّلام کے مبارک لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں حضور علیہ السّلام گوشۂ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے لیکن جب میری نگاہِ حسرت اٹھتی تو رُخِ انور پھر جاتا۔

ے بہر تسکینِ دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
وُہ جو وقتِ ناز کچھ جنبش تیرے ابرو میں تھی

ایک دن شہر سے باہر نکلا تو ابو قتادہ کے باغ میں پہنچ گیا یہ میرا چچیرا بھائی تھا اور اپنے تمام عزیزوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا میں نے سلام کیا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا میں نے کہا ابو قتادہ کیا تم نہیں جانتے میں مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کو دل سے محبوب رکھتا ہوں اس پر بھی

اس نے میری طرف رُخ نہ کیا، لیکن جب میں نے بار بار یہ بات دُہرائی تو صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم بہتر جانتے ہیں تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں مُلکِ شام کا ایک آدمی مِل گیا وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہنچا دے لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے بادشاہ غسان کا ایک خط نکال کر میرے حوالے کیا اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کی ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے خط پڑھ کر میں نے کہا یہ ایک اور نئی مصیبت آئی گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں۔

جب اس حالت میں چالیس راتیں گذر چکیں تو حضور علیہ السلام کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہا حکم ہوا ہے کہ تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ میں نے کہا طلاق دے دوں اس نے کہا نہیں صرف علیحدگی کا حکم ہے ہلال اور مرارہ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا۔

جب دس دن اور گذر گئے تو پچاسویں رات پر صُبح آئی میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا ہی تھا اور ٹھیک ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ تعالیٰ کے کلام نے کھینچ دی ہے "زندگی سے تنگ آ گیا تھا اور خدا تعالیٰ کی زمین اپنی ساری پہنائیوں کے باوجود میرے لئے تنگ ہو گئی تھی اچانک کیا سُنتا ہوں کوئی آدمی کوہِ مسلیح سے پکار رہا ہے کعب بن مالک بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند!

اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے کے لئے دوڑے ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی زیادہ تیز تھی میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا حضور علیہ السّلام لوگوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے حضور علیہ السّلام کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے چہرۂ اقدس چمکنے لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی اس لئے ہمیشہ آپ کے چہرۂ انور پر نگاہ رکھتے تھے چنانچہ میں نے دیکھا اس وقت بھی چہرہ مبارک چاند کی طرح چمک رہا تھا حضور علیہ السّلام نے فرمایا کعب تجھے آج اس ورود کی مبارک دیتا ہوں جو تیری زندگی کا بہترین دن ہے میں نے عرض کی یہ بات حضور علیہ السّلام کی جانب سے یا اللہ تعالیٰ کی وحی سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی وحی سے

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے
قطرے تھے جو مرے عرقِ انفعال کے

حضرت کعب کی درد بھری داستان میں کیا نہیں جو عظمتِ رسول اور اطاعتِ رسول کی افادیت پر ثبوت نہ ہو یہ ایک معمولی مسلمان کی بات نہیں حضور علیہ السّلام کے نامور صحابی کا واقعہ ہے، یہ اس عاشقِ رسول کی تڑپ کی داستان ہے جو ہر وقت شمعِ رسالت پر قربان ہونے کی تمنا رکھتے تھے اور کئی حق و باطل کے معرکوں میں شریک رہے لیکن ایک دفعہ تساہل ہو گیا لغزش ہو گئی آج اور کل کرتے کرتے بات نکل گئی اِس معمولی تساہل کی سزا کیا ملی پچاس شب و روز کی بے قراری، تمام مومنوں کا مقاطعہ. رفیقۂ حیات سے علیحدگی اور سب سے بڑھ کر تاجدارِ رسالت کے

سلام سے محرومی، حضور علیہ السلام کی شفقت و محبت سے دوری ان مصائب کے باوجود شاہ غسان کے خط کو ٹھکرا دینا ان کے عشق رسول پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے ہم میں سے کوئی ہوتا تو خط پڑھ کر غسان کی جھولی میں جا گرتا ایسا کیوں ہے کیونکہ ہم اطاعتِ رسول میں شرمناک حد تک مجرم ہیں کیوں ہمیں دُنیا کے ہر حاکم کا حکم ماننے سے دریغ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر ہم نہ صرف عمل نہیں کرتے بلکہ اس میں حجّت بھی کرتے ہیں اس لیے کہ رسول کریم کی عظمت سے ناواقف ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے آپ کو رسولِ خدا کا اطاعت گذار نہ بنا سکیں ۔

مقامِ تعجب ہے کہ جس در سے دنیا جہاں کی سربلندیاں ملتی ہیں حتیٰ کہ خالقِ کائنات کی محبت جن کی اطاعت میں پوشیدہ ہے وہی ہمیں نظر نہیں آتا غور فرمایئے خالق کی محبت اب جنت کا وعدہ نہیں ہو رہا دنیاوی جاہ و جلال کا وعدہ نہیں فرمایا جا رہا، ابدی زندگی کی لالچ نہیں دی جا رہی بلکہ خالق کی محبّت عطا ہو رہی ہے محبت جس کا کوئی اندازہ نہیں جو محبوب کے قدموں میں ہر چیز مہیّا کر دیتی ہے خالقِ کُل کو کیا میسّر نہیں، وہ کس چیز کا مالک نہیں، اس کے خزانوں میں کس بات کی کمی ہے، اس کی قدرتوں کے آگے کون ہے جو دم مار سکے جب ایسی عظیم ذات کی محبّت مل جائے تو وہ کون کون سی نعمتوں اور رحمتوں سے ہم کو نہیں نوازے گا یقیناً اور لاریب اطاعتِ رسول سے ہی ہم کونین کی سعادتیں حاصل کر سکتے ہیں اس در پر ناصیہ فرسائی سے ہی کائنات کی ہر چیز پر حکمرانی کر سکتے ہیں یہی حقیقت ہے جس کو حضرتِ اقبال نے جوابِ شکوہ میں باری تعالیٰ کی طرف سے فرمایا ہے ارشاد ہے ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں!
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

فتراکِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم

تخلیق آدم کی ابتدائی کڑیوں کو ذہن میں لایئے جب خالقِ کل نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السّلام کے حضور سجدہ ریزی کا حکم فرمایا تھا عقل کا فتویٰ ہے اور بالکل بجا فتویٰ ہے کہ سجدہ حضرت اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے لیکن عشق کہتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو یہ بات نہیں سوچنی چاہیئے کہ سجدہ کس کو کیا جا رہا ہے بلکہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ سجدہ کس کے حکم سے کیا جا رہا ہے بلکہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ سجدہ کس کے حکم سے کیا جا رہا ہے عقل و عشق کا یہ نمایاں فرق ہر دور میں ظاہر ہوا عقل و خرد کے پجاری ظن و تخمین کے چکر میں پھنس گئے اور عشق و محبّت کے متوالوں نے منزل کو پا لیا ؎

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصّہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں (اقبال)

جب بھی شانِ اقدس میں کوئی بات کہی جائے تو ناظرین یہ سوچیں کہ کیا خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا اگر فرمایا ہے تو اس میں حجت کرنے والے کون ہیں عزت بخشنے والا اگر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کی حد کر دے تو یہ اس کا کرم ہے اور کوئی انسان یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس رحمان و رحیم کے رحم و کرم اور فضل و عنایت کا اندازہ لگا سکے علمائے امت متفق ہیں اور قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان کی تکمیل حضور سرورِ کائنات علیہ السّلام پر فرمائی اور یہ ممکن نہیں کہ ان نوازشاتِ ربانی کو احاطہ کیا جا سکے یا علم و ادب نے وہ الفاظ ایجاد کیئے ہوں جن سے وہ مقام بلند واضح کیا جا سکے جو حضور کو بخشا گیا تھا لہٰذا اس کوشش کی اہمیت اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسے ایک عظیم الشان محل کی شان و شوکت کا اندازہ اس کی دہلیز پہ کھڑے ہو کر لگایا

گیا ہو ؂

مرا منہ اور سرکارِ مدینہ کی ثنا خوانی!
مجھے معلوم ہے اپنے سخن کی تنگ دامانی

دربارِ رسالت نورِ یزدانی کی جلوتوں میں سجا ہوا ہے تاجدارِ رسالت تختِ رسالت پر سید المرسلینؐ کا تاجِ زریں سرِ اقدس پر سجائے جلوہ افروز ہیں فرشتے فوج در فوج صفیں باندھے سر جھکائے ادب و احترام سے حاضر ہیں، وہ ملائکِ قدسیہ جن کی پروانہ کا یہ عالم ہے کہ زمین و آسمان کی بے پناہ وسعت ان کے لئے راہِ یک گام سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی جن کو اللہ نے وہ عظیم قوت عطا کر رکھی ہے کہ اگر حکم ہو تو کائنات کو ایک لمحہ میں ہی نیست و نابود کر دیں ایسی عظیم و مقتدر ہستیاں بارگاہِ رسالت کی دربان ہیں اس نور سے معمور فضا ہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ انور حُسن اور جمال کی تجلیاں بکھیر رہا ہے اور گیسوئے والا شانہ اقدس پر دراز ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ چہرۂ انور سے دن نے نور اور گیسوئے اقدس سے رات نے سیاہی حاصل کی اور شب و روز کا یہ لامتناہی سلسلہ چل نکلا۔

شب و روز جن کے تسلسل سے زندگی جنم لیتی ہے سفید و سیاہ کا یہ تارِ حریر جس سے عشق قبائے زندگی تیار کرتا ہے جس کا تسلسل عشق کو اپنی جولانیاں دکھانے کے لئے میدانِ عمل مہیا کرتا ہے اور گردشِ لیل و نہار کا یہ لامتناہی سلسلہ جو کارزارِ حق و باطل کا حقیقی گواہ ہے شب و روز کا یہ سلسلہ پکار پکار کر اعلان کر رہا ہے کہ باطل اپنی تمام قوت و جبروت کے باوجود جب بھی پرستارانِ حق سے متصادم ہوا تو خس و خاشاک کی طرح مٹ گیا لیکن حق نے وہ ابدی نقوش صفحۂ دہر پہ نقش کیے جن کا مٹانا ممکن نہیں ؂

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

حدِ نگاہ تک نظر دوڑائیے فتراکِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگان پروانوں کا جم غفیر ہے جو ہر لمحہ بڑھ رہا ہے ان مقدس و محترم ہستیوں میں صدیق بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عظیم درجات عطا فرمائے، شہدار بھی ہیں جنہوں نے حیاتِ ابدی پائی، صالحین، اولیار اور مومنین بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا پائی لیکن سب کے سب ایک ہی جمالِ اقدس کے شکار اور ایک ہی شمع کے پروانے ہیں، ایک ہی تڑپ ہے، ایک ہی آرزو ہے کہ پائے اقدس پر ناصیہ فرسائی کر کے کونین کی دولتیں حاصل کر سکیں رحمۃ للعالمین کی شانِ رحمت سب کے دلوں کا سہارا اور ہر ایک کے اطمینان و سکون کا وسیلہ ہے کہ سب کے سب پُر امید ہیں لن ترانی کا یہاں گذر نہیں ؎

حکیماں با کلیماں دوش بر دوش
کہ ایں جاکس نگوید لن ترانی

ان بزرگوں میں بیشتر وُہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو عشقِ رسول میں سرمست ہو کر خون کے دریا اور تلواروں کی بارش سے گذر کر یہاں پہنچے ہیں بیشمار وُہ ہیں جنہوں نے شب و روز کا آرام و سکون سالہا سال تک قربان کرنے کے بعد یہاں تک رسائی حاصل کی ہے ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے غربت اور افلاس کی حوصلہ شکن یلغار کا صبر و شکر سے مقابلہ کر کے یہ سعادت پائی ہے ان سرمستوں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے عقل و دانش کے سینکڑوں بُتانِ باطل کو توڑ کر عشق کا دامن تھاما اور کشاں کشاں یہاں پہنچ آئے ان میں وُہ بھی ہیں جنہوں نے مال و دولت، عزیز و اقارب، اہل و عیال اور جاہ و منصب کی ہر محبت کو عشقِ رسول میں جلا کر یہ سعادت پائی ہے ان سب کی پیشانیاں سجود و نیاز کے انمٹ نشان سے جگمگ جگمگ کر رہی ہیں ان کے نورانی چہرے حُسن و جمال کا آئینہ ہیں ان کے مبارک لبوں پر صلوٰۃ و درود کا نغمۂ جانفزا ہے جو کائنات کے ذرے ذرے کو مسحور کر رہا ہے ان کے سرنیاز خم ہیں دل بیتاب

ہیں، بلکہ ادب واحترام کی حدود سے تجاوز نہیں کر سکتیں علم وفضل، فقر و درویشی، ولایت و بادشاہی کے لاکھوں کروڑوں وارث جن کی ایک دُنیا غلام تھی اس بارگاہِ عالی میں خود غلاموں کی طرح حاضر ہیں کرۂ ارضی کی ساری وسعتوں کو پامال کر کے چاند ستاروں پہ کمندیں ڈالنے والے کمال عجز وانکساری سے گردنیں جھکائے حاضر ہیں کیونکہ یہ وہ بارگاہِ اقدس ہے جہاں کسی کو دم مارنے کا حوصلہ نہیں اور جہاں کی سجدہ ریزی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت عطا کرتی ہے۔ ؎

من بسیمائے غلاماں فرِ سلطان دیدہ ام

جس طرح ہر شہنشاہ کے دربار کا قاعدہ ہے کہ اس کے مرتبۂ عظیم کا پکار پکار کر اعلان کیا جاتا ہے اس بارگاہِ عالی میں بھی فرشتے نغمہ سرا ہیں تاجدارِ رسالت کی مدح سرائی خالقِ کائنات کی رحمتوں کا تذکرہ فرشتوں کی زبانی کائنات کا ذرہ ذرہ وجد میں مسحور ہے اور عاشقانِ رسالت جھوم جھوم جاتے ہیں پکارنے والا پکار رہا ہے:

حضور وُہ ہیں جو نوعِ انسانی پہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہیں۔

"یہ اللہ تعالیٰ کا تم پہ احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی طرف ہدایت فرمائی۔" (سورۂ التوبہ)

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی پکار کا جواب دو جب وُہ پکارتے ہیں تاکہ تمہیں زندہ فرما دیں۔" (سورۂ الانفال)

حضور علیہ السّلام وہ ہیں جنہوں نے بنی آدم کو آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا آپس کی بغض و عداوت کو مٹا کر الفت و محبّت سے بھر دیا

"اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے ہم نے تمہارے دلوں کو محبت سے بھر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پہ کھڑے

تھے، پھر تم کو اس سے نجات دی " (آلِ عمران)

حضور علیہ السّلام کی ذاتِ اقدس وُہ ہے جنہوں نے تزکیۂ قلوب فرمایا کتاب و حکمت کا سبق دیا جب کہ حضور علیہ السّلام سے پہلے بنی آدم ضلالت اور گمراہی کا شکار تھی۔

" وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول مبعوث فرمایا پڑھتے ہی ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی آیات ان کو سنوارتے ہیں اور سکھاتے ہیں ان کو کتاب و حکمت اور اس سے پہلے وُہ صریح گمراہی میں تھے " (سورۂ الجمعہ)

حضور علیہ السّلام کی وُہ ذاتِ اقدس ہے جن کی غلامی میں بنی آدم ایک حقیر دانہ سے تنومند پودا بن گیا اور اپنے خالق کی نظروں میں محبوب ٹھہرا۔

" یہ مثال ہے ان کی تورات میں اور انجیل میں جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہوا اپنی نال پہ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تاکہ جلادے جی کافروں کا وعدہ دیا اللہ تعالیٰ نے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا " (سورۂ الفتح)

حضور علیہ السّلام کی وُہ ذاتِ گرامی ہے کہ خالقِ اکبر نے آپ کو بشیر، نذیر رحمۃ للعالمین، رؤف رحیم اور سراجاً منیراً جیسے لاثانی خطابوں سے نوازا اور لیسین، یاایہا المزمل، یاایہا المدثر جیسے محبت سے بھرپور انداز میں پکارا باری تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا فرمایا لیکن عبادت کے لئے مگر حضور علیہ السّلام کی وہ ذاتِ بابرکت ہے کہ آپ کی کثرتِ عبادت نے معبود کو تڑپا دیا اور فرمایا:

" اے کملی اوڑھنے والے! رات کو قیام فرمائیں لیکن تھوڑا آدھی رات تک یا اس سے تھوڑا یا کچھ زیادہ اور پڑھا کریں

قرآن حکیم ٹھہر ٹھہر کر۔" (سورۃ المزمل)

بنی آدم نے ہمیشہ اپنی لغزشوں، کوتاہیوں اور گناہوں سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگی ہے لیکن حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کا کیا کہنا کہ رب کریم نے اپنے کمال فضل و کرم سے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں خطاکاروں کو حاضر ہو کر استغفار کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ یہاں پر حاضری سے نبی کریم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کو تم بہت توبہ قبول کرنے والا پاؤ گے۔

اس سے سید المرسلین کے مقام عظیم کی عظمت کا اندازہ لگاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کی بے حد حساب رحمتوں کی تکمیل ہوئی۔ آیۃ کریمہ میں اندازِ عطا ملاحظہ فرمائیے۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما ہ

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (النساء)

حضور علیہ السلام وہ ہیں جن کی شانِ اقدس میں رب کریم نے فرمایا کہ آپ خُلقِ عظیم کے مالک ہیں آپ کی وہ عظیم ذات ہے کہ قلب اقدس میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ بنانے کی تمنا اٹھتی ہے نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھ اُٹھ جاتی ہیں زبانِ اقدس سے ایک حرف نہیں نکلتا لیکن محبوب کی ادا عاشق خوب سمجھتا ہے حکمِ ربانی ہوتا ہے:

دہم دیکھتے ہیں پھر پھر جانا آپ کے رُخ روشن کا آسمان کی طرف سو پھیریں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہوں آپ پھیر لیجئے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف وہ جس

جگہ بھی کھڑے ہوا کریں پھیر لیا کریں منہ اسی کی طرف"۔ (سورۂ بقرہ)

حضور علیہ السلام کی وہ شان عالی ہے کہ جس در کی غلامی میں اللہ تعالیٰ کی محبوبیت پنہاں ہے۔

"آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا"۔ (سورۂ ال عمران)

اپنے پروانوں کو محبوبِ خدا بنا دینے والی ذات اقدس کا اپنا کیا مقام ہوگا اس کے لئے کوئی لفظ نہیں سوائے اس اعلانِ عجز کے کہ۔ ع

رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان

اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دینا اللہ اللہ اس ذاتِ اقدس پر قربان ہونے کو دل تڑپ اٹھتا ہے جن کی غلامی میں یہ مرتبہ عظیم ملتا ہے محبوب کی ناز و ادا سے ہر کوئی واقف اور عاشق کی قربانی اور ایثار سے کون آگاہ نہیں عاشق چاہتا ہے کہ جو کچھ اس کے قبضہ اور اختیار میں ہو محبوب کے قدموں پر نثار کر دے یہاں عاشق خدا ہے اور محبوب خادمانِ رسول اللہ کے پاس کیا کچھ نہیں اور اس کی عطا و بخشش کا کوئی اندازہ کیا لگائے سوائے حیرت و استعجاب کے۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں!
مرے مولیٰ مجھے صاحب جنوں کر

حضور علیہ السلام کی وہ ذات گرامی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی لا انتہا نعمتوں کا کمال فرمایا۔

"آج کے دن ہم نے آپ کا دین مکمل کیا اور آپ پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں"۔

حضور علیہ السلام کی وُہ ذاتِ اقدس ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بیشمار فرشتے ہر وقت درود و سلام بھیج رہے ہیں:

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یاَیھا الذین اٰمنوا
صلوا علیہ وسلموا تسلیما
فرمان باری تعالیٰ نے عقل کو پھر جھنجھوڑ کر رکھ دیا فضا درود وسلام سے معمور ہو گئی یہ سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہے گا اور اس ابدی سعادت کا کوئی کیا اندازہ لگائے اور کیسے لگائے یہی مقامِ محمودیت ہے اور یقیناً محبوبیت سے بہت بلند ہے جس کا پانا سوائے ربِّ کریم کے فضل و احسان کسی کے بس میں نہیں۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم!
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

انا اعطینٰک الکوثر (ہم نے ہر نعمت آپ کو کثرت سے عطا فرمائی) کائنات ارض وسماوات کی لوح پر نقش ہے اور اس بارگاہِ عالی کے ادب و احترام سے جو غافل ہوا قعرِ ندامت میں گر گیا۔

"اے ایمان والو اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کریم علیہ السلام کی آواز سے اور مت بولو ان سے کھل کر جیسے کہتے ہو ایک دوسرے پر کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تم کو خبر تک نہ ہو جو لوگ دبی زبان میں بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس ان کے دلوں کا امتحان کر لیا اللہ نے ادب کے واسطے ان کے لئے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم"
(سورۂ الحجرات)

حضور سید المرسلین، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے قرآن کریم میں کوئی مقام ایسا نہیں ملتا جہاں اطیعوا اللہ کے فوراً بعد اطیعوا الرسول کا ارشادِ باری نہ ہو اور شانِ اقدس میں سراجاً منیرا کا فرمان یہ ظاہر کرتا ہے کہ دنیا میں نیکی کا کوئی راستہ ایسا نہیں جس کا سبق حیاتِ اقدس سے نہ ملتا ہو اسی سراجاً منیرا کی برکت سے انسان ضلالت و گمراہی کی تاریک وادیوں سے نکل کر نورانی فضاؤں میں پرواز کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

"جس کسی نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک کی اطاعت کی اس نے مرادِ عظیم کو پالیا۔" (سورۃ الاحزاب)

موجودہ زمانے میں بت پندار کو خدا بنانے والے ہر مسئلہ کا حل اس کی روشنی میں ڈھونڈتے ہیں اور انتہائی بدنصیبی یہ ہے کہ بسا اوقات فرمانِ خداوندی اور فرمانِ رسول کریم علیہ السلام بھی ان کی تنقید سے نہیں بچتے حالانکہ حکم باری ہے :-

"کسی مومن مرد یا کسی مومن عورت کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جب اللہ اور اس کے رسولِ پاک کسی بات کا فیصلہ فرمادیں تو پھر اس کام میں اپنا اختیار سمجھیں اور جس کسی نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کے فیصلہ کے خلاف راہِ عمل اختیار کی تو بلاشبہ وہ صریح گمراہی اور ضلالت کی راہ چلا۔" (سورۃ الاحزاب)

اللہ تعالیٰ اپنے احکام کے ساتھ ساتھ اپنے رسول کریم کے احکام بھی ذکر فرما رہے ہیں اور ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اس عظیم ترین رسول کریم کے احکام کا ذکر ہے جن کی ذرا سی تکلیف بھی خالقِ کُل کو پسند نہیں عاشقانِ رسول کی عادت معلوم ہوتی ہے کہ جب کبھی حاصلِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ عالی پر حاضر ہوتے ہیں تو دعوت کے بعد بتقاضائے بشریت باتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں جو حضور علیہ السلام کو شاق گذرتی ہیں ربِّ کریم، قادرِ مطلق، مالکِ کل اپنے محبوب کی اس گرانی کو برداشت نہیں کر سکتے حکم ہوتا ہے :-

"اے ایمان والو! مت جاؤ نبی کریم علیہ السلام کے گھروں میں سوائے اس کے کہ تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے مگر نہ راہ دیکھتے رہو اس کے پکنے کی لیکن جب بلائے جاؤ تب جاؤ پھر جب کھا چکو تو اُٹھ کر چلے جاؤ اور آپس میں نہ لگ جاؤ تمہاری ان باتوں سے نبی کریم علیہ السلام کو تکلیف تھی لیکن وہ شرم کے مارے تم سے

نہیں کہہ سکتے لیکن اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا اور
جب مانگنے جاؤ حضور علیہ السلام کی بیویوں سے تو مانگو پردہ کے
پیچھے کھڑے ہو کر، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے واسطے اطہر ہے
تمہیں حق نہیں کہ تکلیف دو اللہ تعالیٰ کے رسولِ کریم کو اور نہ ہی یہ
حق ہے کہ ان کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی بھی نکاح کر سکو
اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی گناہ کی بات ہوگی۔" (سورۃ الاحزاب)
اسی سورۂ الاحزاب میں جو کافروں کا انجام بیان ہوا ہے وہ بھی سُن لیں
"بیشک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے کافروں پر اور تیار رہے ان کے واسطے
دہکتی ہوئی آگ وہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہاں کوئی حمایتی اور
کوئی مددگار نہیں ہوگا اس دن اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے
اور کہیں گے افسوس ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک کی
اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے اے رب ہمارے ہم نے اطاعت کی
اپنے سرداروں کی، اپنے بڑوں کی پس انہوں نے ہمیں راستہ
سے گمراہ کر دیا اے رب ہمارے ان کو دُگنا عذاب دے اور ان
پر بہت بڑی پھٹکار نازل کر۔" (سورۂ الاحزاب)
ان آیات کو ذہن میں محفوظ رکھ کر حضور علیہ السلام کی حیاتِ اقدس
اور فرمانِ رسول پاک کا جائزہ لیجیئے معلوم ہوگا کہ مسلمان کی زندگی کے دو بنیادی
ستون ہیں ایک ایمان دوسرا اعمالِ صالحہ ایمان یہ کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کا دل کی گہرائیوں سے اقرار، اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات پر غیر متزلزل
یقین یہ جاننا کہ ہمارے ہر عمل سے ہی نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں چھپی بات
سے بھی وہ بخوبی آگاہ ہے یہ سمجھنا کہ وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے ہم جب
اکیلے ہوتے ہیں تو دوسرا وہ ہوتا ہے جب دو ہوتے ہیں تو تیسرا وہ ہوتا ہے
جب تین ہوتے ہیں تو چوتھا وہ ہوتا ہے یہ ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات

غفور رحیم ہے اس لئے کہ جو پہلا سبق ہم پڑھتے ہیں وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس ذاتِ عظیم کی رحمانی اور رحیمی کی پکار پکار کر شہادت دے رہا ہے یہ یقین محکم کہ اس کی زندگی کے بعد ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کی سزا و جزا سے بچنا ممکن نہیں کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ایسا نہ ہوگا جس کو ترازو کے پلڑے میں نہ رکھا جائے گا اور وہ دن ایسا خوفناک ہوگا کہ جہاں کوئی سفارش، کوئی دولت، کوئی دکالت کوئی رشتہ کوئی اولاد اور کوئی عزیز و اقارب کام نہ آسکیں گے۔ وہاں نجات صرف ان خوش نصیبوں کی قسمت میں ہوگی جن کی زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی اطاعت میں بسر ہوئی اور جو بدنصیب انسان اس امتحان میں پورے نہ اترے ان کے واسطے جہنم کے شعلے اوڑھنا اور آگ کے دہکتے انگارے بچھونا ہوں گے یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہ ہوگی بلکہ ابدی عذاب ہوگا جس سے نجات کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

ظاہر ہے کہ جس دل میں ایمان مستحکم ہوگا اس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک کی اطاعت میں گذرے گا، جو انسان ان باتوں پر یقین رکھتا ہے، وہ کیسے ان اعمال کا مرتکب ہو سکتا ہے جن سے سخت اجتناب کا حکم ہے مانا کہ بشریت کی کمزوری بے بس کر دیتی ہے لیکن اس کمزوری کے شکار ہونے کی کچھ تو حد ہونی چاہیئے۔ جب دنیا کے ہر امتحان کی تیاری ہم فرض سمجھتے ہیں تو یہ کیوں کر خیال کر لیا جاتا ہے کہ اس بڑے امتحان میں ہم بغیر تیاری کے پاس ہو جائیں گے۔ فرض کیجئے ایک امتحان کے چھ پرچے ہیں اور سب پرچوں میں کامیاب ہونا ہی کامیابی کی دلیل ہے تو جو شخص بھی کسی ایک پرچے میں فیل ہوا وہ سارے پرچوں میں فیل سمجھا جائے گا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم صرف ناپختہ ایمان کو ہی نجات کا ذریعہ سمجھ کر عمل سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں اور یہ حقیقت کبھی ہمیں دکھائی نہیں دیتی کہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی!
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی پختگی سے ہی اعمال میں پختگی آتی ہے ایک عاقل و بالغ شخص کو یقین ہے کہ سانپ ڈستا ہے، آگ جلاتی ہے وہ کبھی ان کو ہاتھ نہیں لگائے گا لیکن ایک معصوم بچہ اس یقین سے محروم ہے اسی لئے وہ سانپ کو پکڑنے یا آگ میں ہاتھ ڈالنے سے گریز نہیں کرے گا حتیٰ کہ اس کا ہاتھ جل جائے تب وہ چلائے گا یہ چلّانا بے سود ہوگا یہی حال ہمارے ایمان کا ہے اور رہے گا اور رہے گا جب تک کہ اپنے ایمان میں پختگی پیدا نہیں کر سکتے اب اگر آپ غور فرمائیں تو اعمال کو بھی ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک ہے حقوق اللہ یعنی عبادت دوسرا ہے حقوق العباد یعنی معاشرت حضور علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ان دونوں اعمال کا کیا مقام ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کا بیشتر حصہ معبودِ حقیقی کی چوکھٹ پر سجدہ ریزی میں گذرتا ہے۔ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا ہے دیدۂ تر سے اشکوں کا سیلاب تھمنے میں نہیں آتا باری تعالیٰ کی حمد و تسبیح سے ہی قلبِ اطہر کو قرار ہوتا ہے، روزہ شروع ہوتا ہے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کب تک جاری رہے گا معبودِ کل جب عبدہ کی اس وارفتگی کو دیکھتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے اے میرے کملی میں لپٹے ہوئے محبوب اتنی کثرت سے عبادت نہ کیجئے، رات کا تھوڑا حصہ جاگئے کسی قسم کا غم نہ فرمایئے میں نے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرمایا مقام فکر ہے کہ جس ہستیِ عظیم کو یہ مژدہ سنا دیا گیا ہو ان کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے ان کی کونسی دعا ہے جو قبولیت سے ہمکنار نہ ہوتی ہو کیا دنیا میں کوئی مسلمان ایسا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کی عبادت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت سے افضل

ہے، اگر کوئی ایسا بد بخت ہے تو اسے اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے اور اگر نہیں ہے اور مجھے امید ہے کہ یقیناً ایسا کوئی نہیں بلکہ کسی کو یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ اس کی عبادت اصحاب رسول علیہ السلام میں سے کسی صحابی کے بھی ہم پلہ ہو، یا عشر عشیر ہو ہم سے بڑے بڑے بزرگ کی عبادت بھی حضور علیہ السلام کے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی عبادت سے افضل نہیں اس لئے اس کی دعا بھی ہم سے زیادہ مقبول تھی تو سوچنے کا مقام ہے کہ کیا ان اصحاب نے اپنی زندگی صرف عبادت تک محدود رکھی اور صرف دعا سے ہی دنیا کی کایا پلٹ دی کیا ان انعام یافتگان نے صرف دعا کے بل بوتے پر انتم الاعلون کا مقام حاصل کیا؟ کیا صرف عبادت ہی کی طاقت تھی جس کی بدولت چند سالوں میں آدھی دنیا پر ان کی عظمت و بزرگی کا پرچم لہرانے لگا اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حاصل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی صعوبتوں میں پیش پیش ہیں فقراء اور غرباء کی حاجت روائی بھی انکی شان امتیاز ہے، ہمسایہ کے حقوق کا ان کو خیال ہے، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری میں وہ پریشان ہیں معاشرہ کی اصلاح ان کے دین مبین کی اہم کڑی ہے ایسا معاشرہ جہاں کوئی ظالم کسی بے کس کے حقوق پر ڈاکہ نہ ڈال سکے جہاں امن و امان کا دورہ دورہ ہو جہاں خواہشات کو نفرت سے ٹھکرا دیا جاتا ہو، جہاں محبت اور اخوت کا راج ہو ایسے معاشرہ کے قیام کے لئے بنیادی اصولوں کی لازمی ضرورت ہے جن سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے اور ان احکام کی تعمیل بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح نماز، روزہ اور حج کی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص آدھے دین کو قبول کر لے اور آدھے کو چھوڑ کر بھی مسلمان کہلاتا پھرے یہ اپنے نفس کو دھوکہ دینا ہے اور جو کم عقل اپنے آپ کو دھوکہ دے اس سے بد نصیب کون ہے اب دیکھیئے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے موٹے موٹے اصول کیا ہیں۔

۰ اسلام مسلمانوں کی وحدت کو تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں کا عظیم الشان اعلان فرما کر مستحکم کرتا ہے اور بھائی بھی ایسے جو ایک دوسرے کی گردن نہیں کاٹتے بلکہ رحماء بینھم آپس میں رحیم و کریم ہیں محبت سے بھرپور دل رکھنے والے ایک کا درد دوسرے کو بے چین کر دیتا ہے ایک بھوکا ہو تو دوسرا کبھی روٹی نہیں کھا سکتا، ایک ننگا ہو تو دوسرا کبھی اپنے بنگلے کی بے جان دیواروں کو قیمتی پردوں سے نہیں سجا سکتا، ایک کے بچے دوائی کو ترس رہے ہیں تو دوسرے کے کتوں کے سرہانے کبھی تین تین ڈاکٹر نہیں بیٹھ سکتے، ایک کی میت پڑی ہو تو دوسرا کبھی کفن کا کپڑا چوگنی قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا ایک کے پاس سر چھپانے کو چھپر تک نہ ہو تو دوسرا کبھی درجن بھر کمروں والی وسیع و عریض کوٹھی میں آرام کی نیند نہیں سو سکتا ایک کا بچہ چند سکوں کی خاطر تعلیم سے محروم رہا تو دوسرا کبھی بنکوں میں لاکھوں روپے جمع نہیں کر سکتا ارشادِ باری تعالیٰ سنیئے :-

"جو لوگ چاندی اور سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔"

عذاب دردناک کا وہ دن جب جمع کیا ہوا سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی اور اس وقت ان سے کہا جائے گا یہ ہے جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا اس کا مزہ آج چکھ لو۔"

(سورۃ التوبہ)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنے کی سزا سُن لی اب وہ مقدار بھی ملاحظہ فرمایئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے تعین فرمائی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :-

"اے محبوب! آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہِ حق میں خرچ کریں تو کیا خرچ کریں ان سے فرما دیجئے جس قدر تمہاری ضروریاتِ معیشت سے فاضل ہو وہ خرچ کر دو۔" (سورۃ البقرہ)

ہماری ضروریات کو بھی لامحدود نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ ارشاد ہے :-

"کھاؤ پیو لیکن اسراف مت کرو۔"

ہم ایک ایسے دور سے گذر رہے ہیں جس کا دعویٰ ہے کہ عقل نے گوناگوں عقدہائے لاینحل کو حل کر دیا ہے عقل و دانش کی رہنمائی نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے جتنے ازموں کو جنم دیا ہے ان سب کو قرآن مجید کے اس اعلان کے سامنے لایئے اور باطل کو کافور ہوتا دیکھئے اور ذرا تصور میں لایئے اس معاشرہ کی روح پرور جھلک جو اس اصول سے جنم لے گا اس اصول پر عمل پیرا ہو کر ایسا معاشرہ قائم کرنے والے نفوسِ قدسیہ پر نوری مخلوق بھی رشک کرتی ہے دولت کی اس تقسیم کے بعد اخلاق کی اصلاح کے احکام بھی ملاحظہ فرمایئے :-

۱- قماربازی، شراب نوشی، سود خوری اور جملہ فواحشات حرام ہیں، سودی کاروبار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کے ساتھ جنگ ہے جو بدبخت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم کے ساتھ جنگ آزما ہو گا اس کا انجام سوائے مکمل تباہی کے اور کیا ہو گا۔

۲- رشوت، جھوٹ، فریب، دھوکہ، بدعہدی، غیبت، کانا پھوسی، تجسس بدگمانی، خودغرضی، لالچ، حسد، ظلم، ناانصافی، چوری، خیانت، زنا خوشامد وغیرہ گناہ ہیں ان سے جہاں تک ہو سکے بچو بلکہ ان کے نزدیک بھی مت جاؤ۔

۳- جو کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا جہنم کے ابدی شعلے ہیں آگ کی پوشاک، آگ ہی خوراک اور انگاروں کا بچھونا۔

۴۔ تفرقہ مسلمان کی شان نہیں کفار کے مقابل یہ اللہ والے ایسے متحد ہوتے ہوتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

یہ ممکن نہیں کہ کسی مسلمان کو مندرجہ بالا احکام کو قرآنی احکام ماننے میں انکار ہو اور شاید یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی کو یہ ماننے سے انکار ہو کہ قوم کا سوادِ اعظم ان گناہوں میں مبتلا ہے جن سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے جب یہ حالت ہو تو ظاہر ہے کہ ہم نے فرمانِ رسول کو عملاً ماننے سے گریز کیا ہوا ہے اسی لئے انتم الاعلون کا وعدہ پورا نہیں ہو رہا کیونکہ ہم ان کنتم مومنین کی کسوٹی پر پورے نہیں اتر رہے ورنہ ارشادِ باری تو یہ ہے کہ ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

باب ششم

آئینِ مسلمان

تو ہمے دانی کہ آئینِ تو چیست
زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم

"اے مسلمان تجھے معلوم ہے کہ تیرا آئینِ زندگی کیا ہے اور تیری عظمت و سربلندی کا راز کیا ہے وہ زندہ و پائندہ کتاب حکمت کے خزائن سے لبریز ہے جس کے بیان کردہ حقائق کو زوال نہیں اور جن کی صداقت روزِ ازل سے ابد تک لاریب ہے۔"

آئینِ مسلمان

انسان کی زندگی ایک تسلسل ہے جس میں دنیاوی زندگی کی حقیقت حیات وسطیٰ کی مانند ہے اور یہی وہ اہم حصّہ ہے جس کے نیک و بد کا صلہ اس کے بعد آنے والی زندگی میں ضرور ملے گا۔ انسان کی یہ شدید ضرورت ہے کہ سے طریق زندگی پتہ چلے جس پر عمل کرنے سے اس دنیا میں راحت و سکون کی زندگی بسر کر سکے اور آنے والی زندگی میں بھی اُسے خوشی و آرام میسّر آئے جسے قرآن مجید جنت کا نام دیتا ہے عقل کی حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اس کے کسی فیصلہ کو بقا نہیں اس کا آج جو فیصلہ ہوگا کل وہ خود اس پر ہنسے گی یہی وجہ ہے کہ آج تک دنیا والوں نے ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جس میں بیشمار ترامیم نہ ہو چکی ہوں انسانی عقل کی یہ ارتقائی منازل ہیں جن کا ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ایک تکلیف دہ جمود طاری ہو جاتا ہے اور زندگی کا تمام کیف و سرور ختم ہو جاتا ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ انسان اپنی مرضی سے نہ پیدا ہوا ہے نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے بحیثیتِ مسلمان ہمارا ایمان ہے انسان کی موت و حیات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لہذا لازمی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان زندگی کی ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور یہ ہدایت اتنی جامع اور مکمل ہو کہ اس پر عمل زندگی کی ضرورت کی راہ میں حائل نہ ہو ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی وساطت سے قرآن میں نازل فرما دی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نورِ مبین ہمیں کس طرح زندگی بسر کرنے کا حکم دیتا ہے، یہ ذہن میں رہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کچھ کام کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ کرنے سے منع فرمایا ہے انسان کی

بدبختی کی انتہا ہے کہ وہ ہر حکم مانتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتا، وُہ ہر ایک سے ڈرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، وُہ سود کھاتا ہے جس کے لئے قرآن مجید نے شدید ممانعت فرمائی ہے اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم سے جنگ کا الٹی میٹم دیا ہے لیکن اس کے باوجود وُہ اللہ تعالیٰ کا فرنبردار بھی بنتا ہے، نماز برائیوں سے روکتی ہے لیکن ہمارا مشاہدہ بہت مختلف ہے فتنہ قتل سے بھی شدید گناہ ہے لیکن خدا لگتی کہیں یہ سیاسی جماعتیں کیا کرتی ہیں قرآن مجید اکثریت کو لا یشکرون، لا یشعرون، لایومنون لا یتفکرون فرما کر رد کر دیتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اکثریت کو حکومت کرنے کا حق پہنچتا ہے، بس اللہ تعالیٰ رحم کرے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ع

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

میں نے کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں حضرت اقبال نے جو سبق اس ضمن میں دیا ہے ان میں سے چند اہم نکات ناظرین کے لئے عرض کر دوں اور یہ گذارش بھی کروں کہ اس آئینہ میں اپنا چہرہ خود دیکھ لیں۔

۱۔ ایمان باللہ لا الٰہ الا اللہ

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ!

۲۔ شِرک باللہ

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

اللہ کریم ہر گناہ معاف فرمائے گا سوائے شِرک کے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْل، محمد رسول اللہ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں دامنِ کہسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے

۴ ۔ اطاعتِ رسول

عاشقی محکم شو از تقلیدِ یار!
تا کمندِ تو شود، یزداں شکار

"اگر تو عاشقِ رسول ہے تو حضور علیہ السّلام کی اطاعت میں گم ہو کر استحکام حاصل کر، تاکہ اللہ تعالیٰ تیری محبّت میں گرفتار ہو جائے"۔

قرآن مجید ہے، فرمایئے کیا آپ اللہ تعالیٰ سے محبّت کرنا چاہتے ہیں اگر ایسا ہے تو میری اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبّت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

۵۔ دستور العمل، قرآن مجید

۔ نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ او رحمۃ للعالمیں!

"نوعِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام جو رحمۃ للعالمین کی وساطت سے عطا ہوا۔"

۔ گر تو مے خواہی مسلماں زیستن!
نیست ممکن جُز بقرآں زیستن

"اگر تو مسلمان زندہ رہنا چاہتا ہے تو قرآن پر عمل کرنے کے بغیر یہ ممکن نہیں۔"

۶۔ حکومت، وطن، معیشت وغیرہ

حاکمِ اعلیٰ:

۔ سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بُتانِ آذری

دین و سیاست

۔ جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو!
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

رزقِ حلال

۔ علم و حکمت زاید از نانِ حلال
عشق و رقت آید از نانِ حلال!

رزقِ حلال سے علم و حکمت فروغ پاتے ہیں اور عشق و مستی کی بے بہا دولت نصیب ہوتی ہے۔ (یاد رہے کہ رزقِ حلال ہر نیک عمل کی بنیاد ہے جب یہ نہ ہو تو نیکی کا تصور سوائے حماقت، جنون اور خود فریبی کے کچھ نہیں)

آزادیٔ افکار!

ے گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد!

ابلیس کے عظمتِ آدم کو تسلیم نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے

ے ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیواں بنانے کا طریقہ!

اس حکمت کی صداقت پاکستان میں ثابت شدہ ہے۔

جمہوریّت!

ے جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اِس لئے

ے گریز از طرزِ جمہوری غلامِ مردِ کامل شو!
کہ از فکرِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

کیونکہ دو سو گدھوں کو اکٹھا کرنے سے ایک انسان نہیں بنتا لہٰذا کسی مردِ کامل کا غلام ہو جا، جمہوریّت ایک ایسا نظام ہے جو ابلیس کے سارے پروگرام کو پورا کر رہا ہے اسی لئے شیطان اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے ے جمہور کے ابلیس ہیں، اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

موجودہ دور کا یہ نہایت اہم اور قابلِ توجہ مسئلہ ہے جسے بھیڑ چال کی بجائے سمجھنا چاہیئے اور اسے حل کرنے کی حقیقی کوشش کرنی چاہیئے

وطن

ان تازہ خداؤں میں وطن سب سے بڑا ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!

اس لئے

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گُم ہو جا
نہ افغانی رہے باقی نہ ایرانی نہ تورانی

کیونکہ

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک!

مسلمان کو پیغام ہے کہ

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اُجالا کر دے

مزید فرمایا:

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
مُلک و ملت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر

قرآن حکیم کی بصیرت افروز تعلیم سے علامہ اس نتیجہ پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں کہ وہ علاقہ جہاں کوئی قوم بس رہی ہو اس کے ساتھ اندھی محبت مسلمان کو روا نہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا اس وقت

تک قابلِ تعظیم علاقہ نہیں ہوتا جب تک وہاں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری اور ساری نہ ہو یہی وجہ تھی کہ حضور علیہ السّلام نے مکہ معظمہ کی سرزمین سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی، زمین پاکیزگی کی سرحدوں میں تب داخل ہوتی ہے جب وہاں بسنے والے زمین عطا کرنے والے کا حکم جاری کریں، محض کلمہ گو مُسلمانوں کا وطن ہونا کافی نہیں، یہی حال پاکستان کا ہے ۔

کئی شعرائے کرام پاک سرزمین کو ایمان تک کہہ جاتے ہیں جو ان کی محبت کی وجہ سے ہے، لیکن اندھی محبّت حقیقت کو نہیں بدل سکتی، کیا کسی کو انکار ہو سکتا ہے کہ آج کل بھارت میں مسلمانوں کی تعداد پاکستانی مسلمانوں سے ڈیڑھ گنا زیادہ ہے اور وہ لوگ ہم سے نسبتاً زیادہ کلمہ گو، نماز اور روزہ کے پابند ہیں، لیکن کوئی بھی بھارت کو پاک سرزمین نہیں کہتا یاد کریں اُندلس، ترکستان، بغداد اور خود ہندوستان کا دورِ اسلامی کہاں ہیں، آج وہ عظمتیں ایک افسانہ بن گئیں وجہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا احترام گیا تو سب کچھ گیا، امتحان اور آزمائش کی بھی ایک حد ہوتی ہے قدرت کی طرف سے ہر ایک قوم کو یہ وقت ملتا ہے وہ بدنصیب قوم جو اِس وقت سے فائدہ نہیں اُٹھاتی اُسے ظالم و جابر قوم کا محکوم ہونا پڑتا ہے، جس کا تلخ تجربہ ہم پاکستانیوں کو یاد رکھنا چاہیئے ۔

عوام (مسلمان)

وطن کی اہمیّت کے ساتھ ساتھ وطن میں بسنے والوں کو بھی کسی حد کا احترام چاہیئے ۔ وُہ ملاحظہ ہوں ؎

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ ؛

"حضورِ نبی کریم علیہ السلام کے ساتھی (مومن) کفار کے حق میں سخت (قاہر) ہیں لیکن آپس میں رحیم و کریم ہیں (ایک دوسرے کی غلطیوں کو درگذر کر کے محبت پیدا کی جا سکتی ہے) آپ ان کو اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز (قدوسی) پائیں گے جو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل اور رضا کے لئے دُعا گو رہتے ہیں (جس کے حاصل ہونے سے ہی جبروت حاصل ہوتی ہے) اُن کے ماتھے سجدوں کے نشانوں سے جگمگاتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی یہی صفات تورات اور انجیل میں بیان ہوئی ہیں۔"

اپنے وطنِ عزیز کی حالت قابلِ صد افسوس ہے یہاں اپنوں سے دشمنی اور غیروں سے محبت کا کھیل شروع سے چل رہا ہے جب بھی ہاضمہ خراب ہوتا ہے تو لندن قیام ہوتا ہے گویا ان کی شفا غیر مُسلم کے ہاتھ میں ہے۔ کاش یہ حالت جلد ختم ہو اور ہمیں یہ احساس ہو جائے کہ پاکستان ہی ہماری محفوظ پناہ گاہ ہے غور سے دیکھا جائے تو ساری کمزوریوں کی جڑ ایک نکتہ میں مرکوز نظر آتی ہے اور وہ نکتہ ہے اللہ سے دوری اس کے احکام کی نافرمانی اس کے رسول مقبول علیہ السلام سے محبت میں کمی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے سرشار کر دے اور صاحبِ جنوں بنا دے۔

وادیٔ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا — قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا
حوصلے وُہ نہ رہے ہم نہ رہے دِل نہ رہا — گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی

اٰمین برحمتک یا ارحم الراحمین

بوسیلۃ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فتراکِ رسول پر نوائے وقت لاہور کا گرانقدر تبصرہ

از محمد اشرف خان (حسن زئی)

کتاب کے سرورق پر یہ الفاظ درج ہیں "بشر مثلکم کا جائزہ نور مبین اور کلام اقبال کی روشنی میں" اور یہ اس کے تعارف کے لیے کافی ہیں کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوانات یہ ہیں۔ بشر تخلیق آدم، اصحاب رسول۔ آئین مسلمان۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ حضور کی محبت میں ڈوب کر لکھی گئی ہے۔ بقول مصنف عقل و خرد کی درماندگی مقام بشریت میں ایسی کھوئی ہوئی نظر آتی ہے کہ مقام محمود کی بلندیوں کو چھونا اس کے بس میں نہیں۔

نوائے وقت ۱۳ مئی ۱۹۸۲ء جمعرات

تبصرہ نگار۔ میاں عبد الرشید (نورِ بصیرت)